اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَّاِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرا

کُلیّاتِ نظمِ حالیؔ

یعنی

شمس العلما مولانا خواجہ الطاف حسینؒ حالیؔ پانی پتی

کے

تمام منظوم کلام کا مکمل مجموعہ

جلد دوم

(مشتمل بر ترکیب بند)

مُرتبہ

شیخ محمد اسمٰعیل سکرٹری اورینٹل پبلک لائبریری پانی پت

شائع کردہ

حالی بُک ڈپو پانی پت

باراول ——— قیمت مجلد ۸ر

30-5-90

کلیاتِ نظمِ حالی جلد دوم

کی

نظموں کی فہرست

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلیاتِ نظمِ حالی

جلد دوم

مشتمل ترکیب بند

زمزمۂ قیصری

مرتبہ ۱۸۷۸ء

یہ نظم ایک انگریزی پوئم کے تین حصوں میں سے پہلے حصہ کا منظوم ترجمہ ہے۔ شاید مسٹر الیٹوک اس کے مصنف ہیں۔ جنہوں نے کرنل ڈیوس کے توسط سے جبکہ وہ دہلی میں کمشنر تھے اس تمام پوئم کو دہلی کے لائق آدمیوں سے فارسی میں نظم کرا کر ولایت میں بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے۔ فارسی نظم لکھے جانے سے پہلے صاحب کمشنر نے یہ پوئم اردو میں ترجمہ کرا کر نظم کرنے کیلئے میرے پاس بھیجی تھی۔ میں ان کے حکم سے صرف پہلے حصہ کو نظم کرنے پایا تھا کہ مصنف نے فارسی میں نظم کرانا چاہا

میں نے بسبب علالت کے فارسی نظم سرانجام کرنے سے اپنی معذوری بیان کی اور یہ کام اَوروں کے سپرد ہو گیا۔

اِس نظم کے تین حصّے ہیں۔ پہلے حصہ میں ہندوستان اور مسلمان بادشاہوں اور انگریزی سلطنت کا ذکر ہے۔ دوسرے اور تیسرے حصہ میں تمام ہندوستانی رئیسوں کا جو **دربارِ قیصری** میں شریک ہوئے تھے عموماً اور **حضورِ نظام** کا خصوصاً تذکرہ ہے۔ مصنف نے پہلے حصہ میں بعض مسلمان بادشاہوں پر نکتہ چینی بھی کی ہے۔ ناظرین اُس کو دیکھ کر مجھ سے خوش یا ناراض نہ ہوں میرا صرف اتنا قصور ہے کہ میں نے ان خیالات کو ایسی زبان میں نظم کر دیا ہے جس کو میرے ہموطن عموماً سمجھ سکتے ہیں۔ اِس نظم میں جہاں کہیں ضرورت نے مجبور کیا ہے۔ وہاں اپنی طرف سے بھی کوئی بات اضافہ کر دی گئی ہے اور اکثر جگہ تمیز کے لیے اُس کو بریکٹ میں محدود کر دیا گیا ہے۔ بایں ہمہ ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی کہیں کہیں کچھ اختلاف پایا جائے۔ لیکن جو لوگ انگریزی پوئیٹکل خیالات کو اُردو نظم میں بیان کرنے کی دِقتوں سے بخوبی واقف ہیں۔ اُن سے اُمید ہے کہ ایسی خفیف فروگذاشتوں سے چشم پوشی فرمائیں گے +

(الطاف حسین حالی)

اے حصارِ عافیت! اے کشورِ ہندوستاں!
زیب دیتا ہے اگر کہیئے تجھے سارا جہاں
اک طرف کھینچی ہے قدرت نے ترے دیوارِ کوہ
موج زن ہے ایک جانب تیرے بحرِ بیکراں
چوٹیوں پر ہے پہاڑوں کی وہ غالیٔ برف کا
ہے سدا چھایا ہوا جس پر خموشی کا سماں

بحر میں ہوتا ہے اک شورِ قیامت آشکار
جبکہ اُس میں آ کے گرتی ہیں ہزاروں ندیاں
خوف باہر کا ہے تجھ کو اور نہ کچھ اندر کا فکر
(دستِ گلچیں نارسا ، نخلِ دولت گلفشاں)
تو نے فارغ کر دیا ہے فتح ملکِ غیر سے
پھر ضرورت کیا کہ کھولیں بے سبب تیر افشاں

چل رہی ہے امن کی ہر سو ہوائے خوشگوار (ہو نہ اب کھٹکو خزاں سے رخنہ اندازِ بہار)

اے مقدس "آریہ ورت" آئی کیا تجھ پر بلا
جس نے بزمِ یکدلی کو تیری برہم کر دیا
سوچ کر جاتا نہ تجھ سے گر وفاق و اتحاد
کون تھا جو تیری جانب آنکھ اُٹھا کر دیکھتا
تو کہاں اور اہلِ مغرب کے بھلا حملے کہاں
ہاں مگر نا اتفاقی کی ملی تجھ کو سزا
گر تری اولاد میں ہوتا سلوک اور آشتی
لڑکھڑا جاتے قدم غیروں کے ہنگامِ دغا
گھاٹیوں میں آ کے جب ہوتی فراہم تیری فوج
ہوش کھو دیتی سُمِ اسپانِ ہندی کی صدا
بھاگنا بھی دشمنوں کو وہاں سے ہو جاتا محال
دیکھتے جب ہر طرف سے آمدِ سیلِ بلا

یا اطاعت کرتے اور لڑنے سے باز آتے وہیں یا اگر کرتے بہت ہمت تو مر جاتے وہیں

ہند کا حق تھا کہ ہوتی مہر و اُلفت کی زمیں

قوم کے ہمدرد ہوتے اس مکاں کے سب مکیں
حیف جس مٹی سے اُگنا چاہیئے تھا نخلِ مہر
جم گیا آب و ہوائے دہر سے وہاں تخمِ کیں
سربسر تختے گُلِ خودرو کے جس جنگل میں تھے
(غور سے دیکھا تو) پنہاں تھے درندے بھی وہیں
(امن[۱] قائم تھا طلوعِ صبح کے آغاز میں)
(جتنا دن چڑھتا گیا ۔ ہوتا گیا غارت گزیں)
دیوتا جو آریا کے زعم میں فانی نہ تھے
فانیوں کی طرح یہاں آ کر رہے وہ بالیقیں
جنگ و خوں ریزی کے خود آکر ہوئے وہ رہنما
ورنہ فتنہ کا قدم تک یہاں نہ آیا تھا کہیں
یک بیک آیا خلل امن و اماں میں ہر طرف
ایک زلزلہ پڑ گیا ہندوستاں میں ہر طرف

مرحبا اے خطۂ ہندوستاں ! (صد مرحبا)
اِس خرابی پر بھی رو کے تو نے حملے بارہا
جانتا ہے اک جہاں "اسکندرِ اعظم" کا نام
"چشمۂ حیواں" پہ جس کو لے گیا بختِ رسا
تھا جہاں خوف اور سناٹا بشر کا سدِ راہ
اور نیچر کے طلسموں میں خلل آیا نہ تھا
گہرے اور تاریک غاروں میں تھا آبِ زندگی
سایۂ ہیبت تھا جن پر سربسر چھایا ہوا

[۱] یہ شعر اپنی طرف سے اس لیے بڑھا دیا گیا ہے تاکہ بند کے پورے ۷ شعر ہو جائیں ۔ (حالی)

گو ہوئی اُس کی رسائی "چشمۂ حیواں" تلک
پر نہ ہرگز تیرے سارے مرحلے طے کر سکا
جی میں جو حسرت تھی وہ آخر نہ نکلی زینہار
دل میں جو ارمان تھا وہ دل کا دل ہی میں رہا

دِقّتوں نے فتح کی بے طرح گھیرا یا اُسے — کام ہی مشکل تھا۔ یا مشکل نظر آیا اُسے

جس جگہ ملتا ہے "ستلج" سے سُبک رفتار "بیاس"
رہ گئیں فوجیں ٹھٹک کر اُس کی وہاں ساحل کے پاس
بات سنتا تھا نہ کوئی کارواں سالار کی
کارواں اور کارواں سالار کی ٹوٹی تھی آس
تھا کھڑا حیراں سکندر۔ اور یہ کہتا تھا کہ بس
فتح ہند اک خواب تھا۔ اور اُسکی تھی تعبیر یاس
جب سکندر پھر گیا ہو یہاں سے بے نیل مرام
کون پھر ایسا ہے؟ آئے یہ عزیمت جس کو راس
بعد مدّت پھر وہیں آئی اُمنڈ کر اک گھٹا[۵۱]
"بیاس" کے میداں میں جس سے چھا گیا خوف و ہراس
جائے حیرت ہے کہ وہ کشور کشائے نامور[۵۲]
پھر گیا لیکر جہاں سے اپنی فوج بے قیاس

کر سکے کچھ وہاں نہ اس حملے کے آگے اہلِ ہند — چھوڑ کر ندی بھری کشتوں سے بھاگے اہلِ ہند

پہلے اس فتح نمایاں سے بھی اکثر جنگجو
کر گئے یہاں آن کر تیغ آزمائی میں غلو

۵۱ اس سے مراد انگریزی فوج کا وہ حملہ ہے جو ۱۸۴۶ء میں پنجاب پر ہوا — ۵۲ یعنی سکندرِ اعظم

ندیاں جو راہ میں حائل تھیں اُن سے بار ہا
حملہ آور اُترے اور پڑتے رہے رَن سُو بسُو
وہ نشاں جن کی چمک تھی بے بقا مثلِ شہاب[۹۱]
گہ نظر آئے "اٹک" پر اور "ستلج" پر کبھو
رفتہ رفتہ سرزمینِ گنگ تک پہنچا ہر اِس
آ کے ٹھیرا پہلے "مینڈر[۹۲]" کنارِ آب[۹۳] جُو
دھاریں "گنگا" کی وہ ہتھیار چمکے سر بسر
"ہند" تک "یوناں" سے جو پٹتے آئے تھے لہو
ناگہاں "جہلم" پہ چمکی آن کر "سِتھیا[۹۴]" کی آگ
اور پھر کرتی رہی آہستہ آہستہ نمو

پہنچی جب گنگا کے لگ بھگ بیاس اور ستلج کو پھاند   ہو گئے یوناں کے ہتھیار آگے اُس کے ماند

۹۱ یعنی جن کے جھنڈوں کے پھریروں کی چمک شہاب ثاقب کی مانند بے بقا اور ناپائیدار تھی اور جو ہندوستان پر حملے کر کر کے محض ناکام یا چند روز شمالی ہند پر حکومت کر کے واپس چلے گئے (حالی)

۹۲ مینڈر یونان کے "سوتیر" خاندان کا ایک مشہور بادشاہ گذرا ہے - یہ خاندان سکندر اعظم کے بعد ملک باختر یعنی خراسان وغیرہ پر حضرت عیسیٰؑ سے ۲۰۰ برس پہلے مسلط ہو گیا تھا۔ مینڈر نے جیسا کہ بعض مورخین نے لکھا ہے ہندوستان پر سنہ ۱۷۰ قبل مسیح سے سنہ ۱۶۱ قبل مسیح کے درمیان حملے کیے ہیں۔ اُس نے جنوب میں "سندھ" اور "کچھ" تک اور مشرق میں "متھرا" تک فتح کر لیا تھا

۹۳ یعنی گنگا کے کنارے ۱۲

۹۴ بحر اسود اور کوہِ قاف اور بحیرۂ کیسپین کے شمال میں جو وحشی قومیں آباد تھیں قدیم زمانہ میں اُن کو "سِتھیا والے" کہتے تھے ۔ اب وہ تمام ممالک یورپین روس اور ایشیائی روس میں شامل ہیں۔ سِتھیا والوں کے حملے حضرت مسیحؑ سے سو برس پہلے شروع ہو گئے تھے

پھر ہوا اسلام کے اقبال کا تارا بلند
جانبِ ہندوستاں "محمود" نے ہانکا سمند
وہ مسلمانوں کے حق میں ابرِ رحمت تھا مگر
ہندوؤں کے دل رہے اُسکے ستم سے دردمند
وہ پہنچتا تھا جہاں۔ ہوتی تھی وہاں آفت بپا
اور چلتا تھا جلو میں اُس کے آسیب و گزند
غش پہ غش آتے تھے ہر ذی روح کو پیہم وہاں
سانس لیتا تھا جہاں وہ اژدہائے زورمند
روندتا تھا جسکو۔ وہ کھیتی نہ ہوتی تھی ہری
صلح سے بجھتا نہ تھا۔ ہوتا تھا جو شعلہ بلند
خوف تھا دل میں خدا کا اور نہ کچھ بندوں کا رحم
قتل اور تاراج تھا اِک بازیٔ سلطان پسند

جب وہ آیا تھا تو سرتاپا گلستاں تھا یہ ملک
جب گیا یہاں سے تو مثلِ دشت ویراں تھا یہ ملک لہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان وحشیوں کے غول کے غول ہندوستان پر چڑھ آتے اور لوٹ مار کرکے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت مسیحؑ کی ولادت سے چند سال بعد کشمیر کے قریب اُن کی زبردست سلطنت قائم ہوگئی تھی۔ اُن کا سب سے مشہور بادشاہ کنشکا ہوا ہے جس نے بدھ مذہب کی چوتھی کونسل منعقد کرائی۔ شمالی ایشیا میں بدھ مذہب کی جو شکل ہے وہ اسی کونسل کا نتیجہ ہے۔ "ستھیا کی آگ" سے غالباً اُس کی جہاں سوزی اور تاخت و تاراج مراد ہے۔ جیساکہ بایزید عثمانی کو ایلدرم کہا گیا ہے اور عرب کی فتوحات کو برق سے تشبیہ دی گئی ہے ۱۲ (حالی)

لہ انگریز مورخوں اور شاعروں کو جب یہ منظور ہوتا ہے کہ لوگوں کو اپنی جبلی اور انسانی

آخر اے دانا حکیمو! کچھ سبب اِس کا بتاؤ
ہے بنی آدم کو کیوں قتلِ بنی آدم کا چاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸) ہمدردی پر فریفتہ اور مسلمانوں پر غضبناک اور برافروختہ کریں تو وہ "محمود غزنوی" اور "تیمور" وغیرہ کی سختی اور تشدد کو خوب چھڑک چھڑک کر جلوہ گر کرتے ہیں۔ جس طرح اِس بند میں محمود کی بے رحمی اور ظلم کا بیان کیا گیا ہے اسیطرح ایک اور انگریز نے اُس کی شان میں کچھ اشعار لکھے ہیں۔ جن کا اُردو ترجمہ یہ ہے :-

اے مُلکِ زرنگار! قدم ہے وہ کونسا — حملے سے جسکے ہے ترے ارکان میں زلزلہ
وہ تیرے قصر اور ستون دار سائبان — معبد وہ۔ جو پہاڑوں کے غاروں میں ہیں نہاں
ٹھاکر اور اُن کے مندر۔ راجہ اور اُنکے تخت — حملے سے اُس کے آ کے پڑا سب پہ وقتِ سخت
پُتلا غضب کا کونسا وہ ہولناک ہے — اے مُلکِ زرنگار! وہ غزنین کی خاک ہے
آتا ہے لُوٹتا ہوا۔ اِس بزم گاہ میں — پھرتے ہیں بکھرے تاج۔ بہت اسکی راہ میں
کُتّے جو اُس کے ساتھ شکاری ہیں بیشمار — اُن کے گلوں میں ہیں وہ جواہر نگار ہار
بے رحم فوج لائی ہے جو لُوٹ مار کر — مقتول رانیوں کے گلے سے اُتار کر
کرتا ہے قتل لڑکیوں کو وہ۔ گھرونکے بیچ — اور بے گنہ پجاریوں کو۔ مندروں کے بیچ

اگرچہ ان دونوں شاعروں نے محمود کے تشدد کو بہت مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہے مگر حق یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے اُن کے بعض بادشاہوں کی ظالمانہ کارروائیاں گو وہ کیسے ہی وحشت اور تاریکی کے زمانہ میں کی گئی ہوں ہمیشہ باعثِ شرم و ندامت رہیں گی۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ آیا دُنیا میں کوئی ایسی قوم ہے جو اِس دھبے سے پاک ہو؟ یورپ کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ یورپ کی شائستہ قومیں جو آج اپنے سوا تمام دنیا کی قوموں کو وحشی یا نیم وحشی کا خطاب دیتی ہیں۔ محمود کے زمانہ میں بلکہ اُس کے بعد کئی صدیوں تک ایشیا سے بمراتب زیادہ وحشت و خونریزی اور بے رحمی میں مبتلا تھیں اور اگر انصاف سے دیکھا جائے تو بنی نوعِ انسان

جبکہ حق اور راستی ہے خاص رحمانی صفت پھر تعجب ہے کہ جبّاری کا ہو اُس میں لگاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹) کی دو خصلتیں نہ کبھی بدلی ہیں نہ آئندہ بدلنے کی امید ہے۔ ایک طمع اور خود غرضی۔ دوسرے زبردستوں کا زیردستوں کو دلنا اور پیسنا۔ جسطرح مگرمچھ مچھلیوں اور مینڈکوں کو یا شیر اور چیتا۔ ہرن اور نیل گائے کو نوش جان کرتا ہے اسیطرح جو انسان قوی اور زبردست ہیں وہ ضعیف اور کمزور انسانوں کو شکار کرنے سے کبھی درگذر نہیں کرتے۔ سولھویں صدی کو جس میں اہل یورپ امریکہ میں جاکر آباد ہوئے کچھ بہت زمانہ نہیں گذرا۔ اِس صدی میں یورپ کی بعض قوموں کے ہاتھوں امریکہ کے اصلی باشندوں پر کونسا ظلم اور کونسی بے رحمی ہے جو روا نہیں رکھی گئی۔ "میکسکو" اور "پیرو" جو امریکہ کے دو شائستہ ملک تھے وہاں کے مفتوحین پر جو وحشیانہ مظالم ہسپانیہ والوں نے کیے اُن کی نظیر دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملیگی۔ "کورٹیز" جو ہسپانیہ کا رہنے والا اور "میکسکو" کا فاتح تھا۔ اُس نے اور اُس کے بعد نئے وارد شدہ جرنیلوں نے یہ ٹھان لی تھی کہ "میکسکو" کو قاطبۃً ویران کر دیجیے اور وہاں ہسپانیہ کی ایک کولونی آباد کیجیے۔ چنانچہ جہاں تک اُن سے ہو سکا وہاں کے قدیم باشندوں کو نیست و نابود کرنے میں اُنہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ "کورٹیز" نے میکسکو کے شہنشاہ "مونٹی زوما" کو گرفتار کرکے اُلٹا لٹکا دیا اور اُسکی رعایا کو اُسکی آنکھوں کے سامنے جلایا اور قتل کرایا۔ بڑے بڑے الاؤ لگائے گئے تھے جنمیں ہزارہا بنی آدم عام طور پر بے تکلف جلائے جاتے تھے۔ دیہات اور جنگلوں میں ہزاروں آدمی شکاری کتوں سے پھڑوائے جاتے تھے۔ یہ ہسپانیہ کے وہی مقدس اور بے عیب عیسائی تھے جنھوں نے "کافروں" (یعنی مسلمانوں) کو غرناطہ سے ایک "ناپاک" اور "گنہگار" قوم ہونیکا الزام لگا کر نکالا تھا اور جن کا قول تھا کہ "ظالم اور بد دین مسلمان اس لائق نہیں ہیں کہ فرشتہ صفت عیسائیوں کے ہمسائے اور ہموطن ہو کر رہیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ایک ملین یا دس لاکھ بنی آدم اِن مقدس عیسائیوں کے ہاتھ سے طرح طرح کی

جبکہ ہے سرچشمۂ مہر و محبّت ذاتِ حق
پھر نہ مانی جائے اُس کی شریعت بے دباؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰) عقوبت اور سختی کے ساتھ مارے اور جلائے گئے۔ یہی حال کچھ دنوں بعد "پیرو" کا ہوا۔ یہ ملک جنوبی امریکہ میں بحرالکاہل کے کنارہ پر واقع ہے "فرنسسلو پیرو" جو غالباً اٹلی کا رہنے والا ایک مجہول النسب آدمی تھا اُس کو جنوبی امریکہ میں فتوحات کرنے اور وہاں سے سونا چاندی رولنے کا مدت سے خیال تھا۔ اُس نے "پناما" یا اُس کے قریب کسی اور مقام میں ایک جماعت کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ایک بیڑا جہازوں کا اور کچھ سپاہ اُسکے ماتحت "ملک پیرو" کو جس کے تموّل کی بہت شہرت تھی۔ روانہ کریں۔ چنانچہ اس سامان کے ساتھ وہ وہاں پہنچا۔ اور ایک دو پھیرے کے بعد اُس ملک پر قابض ہو گیا۔ پھر تو کوئی ظلم اور تعدّی ایسی نہ تھی جو "پیرو" کے اصلی باشندوں پر جائز نہ رکھی گئی ہو۔ اُن سے سونا اور چاندی چھین چھین کر اپنے ملک کو بھیجتا تھا۔ ہزاروں بندگانِ خدا اُس کے ظلم و ستم سے ملک چھوڑ چھوڑ کر پہاڑوں پر چڑھ گئے تھے۔ جہاں وہ آخر کار فاقے کر کر کے مر جاتے تھے اور ہزاروں قتل کرائے جاتے تھے۔ تمام مورخوں کا اتفاق ہے کہ ایسی بیرحمی کبھی نہیں ہوئی انگریزوں کا بیان ہے کہ "آسٹریلیا" کے قدیم باشندوں پر بہت سختی نہیں کیگئی۔ اگر یہ بیان صحیح ہے تو وہاں سختی کی کچھ ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ بیچارے اس درجہ ناہموار۔ بیڈول۔ اور ناشائستہ تھے کہ انگریز فاتحوں کی صورتیں اور ٹیپ ٹاپ اور چمک دمک دیکھ کر شرم کے مارے زمین میں گڑے جاتے تھے اور کسی طرح ممکن نہ تھا کہ اُن کے پڑوس میں رہ سکیں جسقدر انگریز مہاجروں کی تعداد آسٹریلیا میں بڑھتی گئی وہ لوگ ملک کے اندرونی حصہ میں غائب ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ وہیں معدوم ہو گئے۔ اب شاذ و نادر کہیں کہیں اندرونی پہاڑوں کے سلسلہ میں پائے جاتے ہیں۔ "ٹسمانیہ" کے قدیم باشندے جو ایک خوش بشرہ مگر اَن سویلائزڈ قوم تھی۔ وہ یورپ والوں کی ہمسائیگی کے باعث بالکل فنا ہو گئی یہانتک کہ

کیا یہ زیبا ہے ! کہ دینِ حق کو اے ابنائے جنس
زور سے منواؤ تم اور ندیاں خوں کی بہاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) اب ایک متنفس بھی اُن کی نسل کا باقی نہیں۔ بس آسٹریلیا کے قدیم باشندے جو انڈیان والوں سے بھی زیادہ بدقوارہ اور ناشائستہ تھے۔ انگریز جیسی اعلیٰ درجہ کی شائستہ قوم کے پڑوس میں کیونکر ٹھیر سکتے تھے ؟ ؎

تو بجلوہ چوں در آئی۔ اجل از سر ترحّم
ہمہ جا کند منادی پئے احتراز کردن

اگر فی الواقع انگریزوں نے آسٹریلیا والوں پر سختی نہیں کی تو یہ اُنکی عین دانائی تھی کہ اُنہوں نے مفت کی بدنامی نہیں لی اور تمام براعظم اُن کیلئے خود بخود خس و خاشاک سے پاک ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ نے علم و ہنر میں اس قدر ترقی کی ہے اور وہ دوسرے حصہ کے ابنائے جنس سے اِس قدر آگے بڑھ گیا ہے کہ اگلے زمانہ کے فاتح اور کشورکشا جن ناجائز ذریعوں سے مفتوحین کی دولت و ثروت اور سلطنت کے مالک ہوتے تھے اُن ذریعوں کے کام میں لانے کی اب مطلق ضرورت نہیں رہی۔ جس قدر مال و دولت پہلے قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ سے حاصل کیا جاتا تھا اُس سے اضعافاً مضاعفہ اب صنعت اور تجارت کے ذریعہ خود بخود کھچا چلا آتا ہے۔ یہانتک کہ جب دو ایسی گورنمنٹوں کے درمیان جنمیں سے ایک شائستہ اور دوسری ناشائستہ ہو تجارتی عہدنامہ تحریر ہو جاتا ہے تو یہ یقیناً سمجھ لیا جاتا ہے کہ شائستہ گورنمنٹ بغیر اس کے کہ ہلدی لگے یا پھٹکری۔ دوسری گورنمنٹ کے تمام ملک و دولت و منافع و محاصل کی بالکل مالک ہو گئی۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن
حذر اس لوٹ سے جو لوٹ ہے علمی و اخلاقی

نہ گُل چھوڑے۔ نہ برگ و بار چھوڑے تُو نے گلشن میں
یہ گلچینی ہے یا اللہ ہے گلچیں؟ یا ہے قزاقی

شاید ان شعروں میں کچھ مبالغہ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ اگلے زمانہ کی غارتگری نے لوٹ کھسوٹ سے جو نتیجہ مترتب ہوتا تھا۔ اُسی نتیجہ کے قریب قریب یہ شائستہ لوٹ بھی پہنچا دیتی ہے

یا یہ بہتر ہے کہ سچی دوستی اور پیار سے
اور اُن باتوں سے جنہیں جلوہ اُلفت کا دکھاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲) کروڑوں اہلِ صنعت و حرفت جن کی دستکاری مکینکس کا کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتی۔ نانِ شبینہ کو محتاج ہو جاتے ہیں۔ خلاصت یہ ہے لوگوں پر یہ بپتا پڑتی ہے کہ زمین کی پیداوار جسقدر بکثرت کے ساتھ غیر ملکوں کو جاتی ہے اُسی قدر ملک میں زیادہ کاشت کا تردد کیا جاتا ہے اور اس سبب سے روز بروز زیادہ لاگت لگانی پڑتی ہے اور محنت کا کافی معاوضہ نہیں ملتا۔ یہ پولیٹیکل اکانومی کا مُسلّمہ مسئلہ ہے کہ قدرتی پیداوار کی جسقدر زیادہ مانگ ہوتی جاتی ہے اُسی قدر اُس کے بہم پہنچانے میں زیادہ لاگت اور زیادہ محنت صرف ہوتی ہے اور مصنوعی چیزوں کی جسقدر زیادہ طلب ہوتی ہے اُسی قدر اُن پر لاگت کم آتی ہے اور محنت کم صرف ہوتی ہے۔ ملکی تاجروں کے لیے جو کہ شائستہ ملکوں کی مصنوعی چیزوں کی تجارت کرتے ہیں۔ اول تو اوپر والے نفع کی کچھ گنجائش ہی نہیں چھوڑتے اور اگر قدر قلیل (جیسے آٹے میں نمک) کچھ فائدہ ہوتا بھی ہے تو اپنے ملک کی نہایت ضروری اور ناگزیر اشیا کا خرچ گراں ہونے کے سبب اُن کی کمائی میں سے بہت کم پس انداز ہوتا ہے۔ اور جسقدر ہوتا ہے وہ غیر ملکوں کی آرائشی اور غیر ضروری چیزوں کے خریدنے میں جو کمال نفاست اور لطافت کے باوجود نہایت ارزاں دستیاب ہوتی ہیں۔ صرف ہو جاتا ہے۔ پس اُن کو بھی آزادی اور فارغ البالی کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ اور اگر سو دوسو میں سے دو چار ایسے نکل بھی آتے ہیں جو اپنے ملک میں مرفہ الحال سمجھے جاتے ہیں۔ اُن کا معاملہ اور لین دین اُن کروڑپتیوں سے ہوتا ہے جن کے مقابلہ میں وہ اپنے تئیں محض مفلس اور قلانچ تصور کرتے ہیں۔ اور جن کی مانگ کے خوف سے ہمیشہ دوالہ نکل جانیکا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ طمع اور خود غرضی اور زبردستوں کا زیردستوں کو دلنا اور پیسنا جیسا کہ تاریکی اور وحشت کے زمانہ میں تھا اُسیکے قریب قریب اب بھی ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ دولت گھسیٹنے کے لیے پہلے جبری و تعدی

دِل کرو اہلِ جہاں کے پہلے تسخیر اور پھر
حکم پھیلاؤ خدا کے اور یقیں اُن پر دلاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳) کی ضرورت تھی۔ اب اُس کی کچھ ضرورت نہیں رہی۔ اَن سولیلائزڈ دنیا کی دولت سولیلائزڈ دُنیا کی طرف خود بخود کھچی چلی جاتی ہے۔ ایک اژدہا شیر کو بہت بُرا بھلا کہہ رہا تھا کہ تو کیسا بے رحم ہے کہ ہمیشہ جانداروں کا خون پینے کی فکر میں رہتا ہے اور شکار کی دُھن میں دُور دُور کے دھاوے مارتا ہے۔ تمام جنگلوں میں تیری دھاک ہے آج اِس ہرن کو پھاڑ ڈالا۔ کل اُس پاڑھے کے ٹکڑے اُڑا دیے۔ ایسی خونخواری پر کمر باندھنی اچھی نہیں ہے۔ شیر نے کہا قبلہ! اگر میرے سانس میں بھی ایسی کشش ہوتی کہ دور دور سے جانور خود گھسٹے ہوئے میرے منہ میں چلے آتے اور میری حرص و آز کی آگ کو بجھا دیتے تو میں بھی ہرگز کسی بے گناہ کے خون میں اپنے ہاتھ رنگین نہ کرتا۔

مَعَ ذٰلِک اگر آزادیٔ تجارت میں کوئی مزاحمت پیش آتی ہے اور بغیر جبر و تعدی کے کام نہیں چلتا تو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی شائستہ قوم سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ آزادیٔ تجارت کی مزاحمت رفع کرنی عین انصاف ہے۔ حالانکہ آجتک پولٹیکل اکانومی نے اِس بات کا تصفیہ نہیں کیا کہ فری ٹریڈ کا قاعدہ مطلقاً قرینِ انصاف ہے یا خاص خاص صورتوں میں خلافِ انصاف بھی ہو سکتا ہے۔ انگلینڈ کا فائدہ فری ٹریڈ میں ہے۔ اِس لیے وہ اِسی کو عین انصاف سمجھتا ہے۔ فرانس اور یونائیٹڈ اسٹیٹس اسکو اپنے حق میں بالفعل مضر سمجھتے ہیں۔ اِسلیے اسکو جائز نہیں رکھتے لیکن انصاف شرط ہے۔ جن حکمتوں اور تدبیروں سے آجکل دنیا کی دولت گھسیٹی جاتی ہے اُن پر بخلاف اگلے زمانہ کی جابرانہ لوٹ کھسوٹ کے کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا۔

مشہور ہے کہ "حکیم علوی خاں" کے زمانہ میں۔ جو کہ "محمد شاہ" کا معالج اور ایک نہایت حاذق طبیب تھا۔ ایک عطار بھی اُس کے نسخے دیکھتے دیکھتے علاج کرنے لگا تھا لوگوں نے اِس کا ذکر علوی خاں کے سامنے بھی کیا۔ اور یہ کہا کہ جس قدر مریض آپ کے

راہِ حق کا خار و خس سے پاک ہونا چاہیئے   گلشن دیں بے خس و خاشاک ہونا چاہیئے

خار ہی خار آتے ہیں مدت سے لیکن یہاں نظر
خون ہے اُستاد اور شاگرد دونوں کا ہدر[۱۵]
راستی[۱۶] اور امن کی دیتے ہیں جو تعلیم یہاں
راحت و آرام کو کھوتے ہیں اپنے سر بسر
اندر[۱۷] لینی چاہیئے ہیں اس طرح تعلیم جو
وہ زمانہ کے ستم لیتے ہیں اپنی جان پر
بات حیرت خیز ہے پر شک نہیں اسمیں ذرا
نخلِ شادی آنسوؤں کے نم سے لاتا ہے ثمر
دمبدم سیراب اگر خونِ شہیداں سے نہ ہو
رہ نہیں سکتا ہرا۔ دُنیا کی راحت کا شجر
بے شہادت مل نہیں سکتی حیاتِ سرمدی
موت ہے دَرِ زندگی کا۔ اور اَلَمْ بابِ ظفر

غیر کے زخموں پہ ہرگز رحم ہم کھاتے نہیں   آپ جب تک زخمِ کاری کا مزا پاتے نہیں

اے "جلال الدین" ہے تو ہی وہ شاہِ نامدار
صُلحِ کل جس کی زمانہ میں رہے گی یادگار
بسکہ آزادی بنی نوعِ بشر کو تو نے دی
رائے پر ہر شخص کی ٹھیرا عقیدت کا مدار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴) علاج سے اچھے ہوتے اور مرتے ہیں اُسی کے قریب قریب اُسکے علاج سے بھی اچھے ہوتے اور مرتے ہیں۔ ملّو خاں نے کہا "بلے! لاکن من با قاعدہ می کشم و آں قرمساق بے قاعدہ می کشد" ۱۲ (حالی) سلہ ۱۵ اُستاد اور شاگرد کی شرح نیچے کے دو شعروں میں کی گئی ہے ۱۲

فہم سے بندوں کے بالاتر تھے جو اسرارِ دیں
بحث کرنے کا ملا بندوں کو اُن میں اختیار
حوصلہ نکلا ترا شاہانِ پیشیں سے وسیع
تجھ سے القابِ شہنشاہی نے پایا اعتبار
پر۔ تری اولاد نے کی پیروی تیری نہ حیف
ہو گیا اُن کا تعصب خود گلے کا اُن کے ہار
ثمرہ آخر مل گیا اُن کے تعصب کا انہیں
کر گیا رحلت جہاں سے جلد اُن کا اقتدار
دولتِ روئے زمیں کل جلوہ آرا تھی جہاں　　خار و خس کے ڈھیر ہیں کھنڈر ہیں اُنکے آج وہاں
خیر اُن کے ذکر سے اب کیجیے قطع نظر
خوبیاں تھیں عہد میں اُن کے نہ لیکن اس قدر
امن۔ راحت۔ اتفاق اور برکتیں انصاف کی
ملک افزائش سے ہو جن کی بدولت بہرہ ور
اور رعیت کی اطاعت جو نہ مجبوری سے ہو
بلکہ جس سے رغبت اور اخلاص ہو خود جلوہ گر
نعمتیں ہندوستاں کو یہ ہوئیں اُس دم نصیب
چھا رہی تھی جبکہ مایوسی دلوں پر سربسر
امن و راحت کا تصور تک نہ آتا تھا کبھی
جائے حق ناحق کا سکہ چل رہا تھا بے خطر
دیکھ کر آخر بدی کا دَور دَورہ۔ نیکیاں
ہو چکی تھیں یہاں سے رخصت۔ آہ ٹھنڈی کھینچکر

اُس اندھیرے میں اُجالا نا گہاں پیدا ہوا (چشمۂ حیواں کا ظلمت میں نشاں پیدا ہوا)

کیا مرہٹے - کیا مغل - سادات کیا - افغان کیا
عہد میں سب کے رہی یہاں بارشِ ابرِ بلا
علم و فن - جرأت - نکوئی - مٹ گئیں سب خوبیاں
دمبدم طوفان بدی اور عیب کا بڑھتا رہا
یاس سے حالت عجب اِک ہند پر طاری ہوئی
بحرِ بے پایاں میں گویا سخت طوفاں تھا بپا
بے طرح چھایا ہوا تھا ابرِ ظلمت چارسو
کوکبِ رہبر کا ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا پتا
کوندنا بجلی کا تھا گویا کہ بجلی کی چمک
اِک جھلک آئی نظر اور پھر اندھیرا چھا گیا

جو کہ بزدل تھے وہ غش کھا کھا کے گرتے تھے وہاں (اور جو چھوڑے ہوئے تھا ہر جری اوسان)

ڈوبنے کے جب نظر آنے لگے آثار سے
تب نجات آئی یہاں ساتوں سمندر پار سے
آ کے انگلستان نے طوفان کو للکارا کہ بس!
باز رہ اے فتنہ! اپنی گرجی رفتار سے
مدتوں کی سختیوں سے ملک چھوٹا یک قلم
ہند کو اپنوں نے دی آ کر نجات اغیار[1] سے
اہلِ ہند اور اہلِ مغرب اصل میں سب ایک تھے
کچھ دنوں بچھڑے رہے پر گردشِ اَدوار سے

[1] اپنوں سے مراد یہاں مغربی آریا یعنی انگریز اور اغیار سے مراد مسلمان ہیں ۱۲ (حالی)

گو رہے چند سے جدا - پر مل گئے انجام کو
کلفتیں بدل گئیں فرقت کی - آخر پیار سے
اہل مغرب کو نہ سمجھیں غیر ہرگز - اہل ہند
(آئینہ اور سنگ دونو نکلے ہیں کہسار سے)

اب نہ چھوڑے گا یقیں - وہمیوں کی جڑ کاٹے بغیر   دوستی رہتی ہے کب نفرت کی جڑ کاٹے بغیر

دہریوں کا فرقہ لایعقل و کوتاہ بیں
اپنی کج رائی سے جو تقدیر کا قائل نہیں
اب ہیولی کو نہ سمجھے مصدر کل کائنات
اتفاق دہر پر رکھے نہ بنیاد یقیں
ورنہ ہم پوچھیں گے اس سے - کس طرح اک اتفاق
یا ہیولی - لے گیا مغرب سے تا مشرق زمیں
کچھ جہاز اور چند سوداگر - تجارت کے لیے
تاکہ ہوں پردیسیوں کی طرح وہاں جا کر مکیں
اور پھر اس کشور آباد پر قابض ہوں وہ
ایک مدت تک رہا مغلوں کے جو زیر نگیں

کیا یہ سب کچھ اتفاقاً ہو گیا اے اہل رائے   یا مشیت نے تماشے اپنی قدرت کے دکھائے

ایسے ہذیانات بیجا سے یہ بہتر ہے کہ ہم
مان لیں سُر اور اُسُر[۱] کی داستان بے بیش و کم

۱ "سُر" دیوتا کو اور "اُسُر" راکشس کو کہتے ہیں - مہابھارت میں لکھا ہے کہ اگلے زمانے میں ایک بار دیوتاؤں اور راکشسوں کی لڑائی ہوئی تھی جس میں دیوتا کامیاب ہوئے اور راکشس ہار گئے - راکشسوں کو یہ خیال ہوا کہ ہم باوجودیکہ دیوتاؤں سے قوی اور زبردست ہیں پھر

گو اک فسانہ ہے۔ لیکن دہریوں کے قول سے
اُسمیں کچھ باتیں زیادہ دل نشیں پاتے ہیں ہم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸) کیوں اُن سے مغلوب ہوگئے۔ آخر یہ معلوم ہوا کہ اُن کے پاس علم یعنی منتروں کی طاقت ہے۔ راکشسوں نے اُن کے منتر اور کتابیں چُرالیں۔ اور ایک راکشس "سنکھاسُر" نام اُن سب کو لیکر سمندر میں غائب ہوگیا۔ ایشور نے جو یہ حال دیکھا تو خود مچھلی کا روپ بھر "سنکھاسُر" کو سمندر میں جاکر ہلاک کردیا اور دیوتاؤں کے سارے منتر اور پستکیں صاف نکال لائے۔ ایشور کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ سمندر میں اور بھی بہت سے رتن (یعنی مفید اور نایاب چیزیں) ہیں اُن کو نکالنا چاہیئے۔ اُنہوں نے کہا کہ میں کچھوا بنتا ہوں۔ میری پیٹھ پر رئی کی جگہ ہمالیہ پربت کو رکھدینا اور تسمہ کی جگہ باسگی (سانپ کا نام ہے) کو ہمالیہ کے گرد لپیٹ کر اُس کے دونوں سرے "سُر" اور "اُسُر" اِس طرح پکڑیں کہ سانپ منہ کی طرف سے سُروں کے اور دُم کی طرف سے اُسُروں کے ہاتھ میں رہے اور اس طرح سمندر کو بلو ڈالیں اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ سمندر میں سے چودہ رتن یعنی لچھمی۔ جواہر۔ شراب۔ دھنتر بید چاند۔ گئو۔ گھوڑا۔ سفید ہاتھی۔ تیر کمان۔ امرت۔ اور بس وغیرہ برآمد ہوئے۔ امرت پر سُروں اور اسُروں کی باہم تکرار ہوگئی۔ اُنہوں نے کہا ہم لیں۔ اِنہوں نے کہا ہم لیں۔ بالآخر ایشور ایک حسین عورت کا روپ بھر کر اُن پر ظاہر ہوئے۔ دیوتا اور راکشس دونوں اُسکی صورت پر فریفتہ ہوگئے اور آپس میں یہ قرار دیا کہ یہ عورت جسکو جو کچھ دے وہ اس کو خوشی سے لیلے۔ چنانچہ اُس عورت یعنی ایشور نے ایک لچھمی تو اپنے واسطے رکھ لی اور باقی تمام رتن فریقین پر تقسیم کردیے امرت سُروں کے حصہ میں آیا تھا مگر تھوڑا سا تقسیم ہونا باقی تھا کہ ایک راکشس اُسے اُٹھا کر پی گیا اس پر دیوتاؤں میں سے ایک نے اُس کا سر اُڑا دیا۔ لیکن بس کو کسی نے لینا قبول نہ کیا۔ شیو یعنی مہادیو جی نے کہا "لاؤ اسکو میں کھا جاؤں" وہ اس کو کھا تو نہ سکے مگر اپنے کنٹھ (حلق) میں رکھ لیا جس کے سبب سے اُن کا گلا نیلا پڑ گیا۔ شاعر اس بند میں قصۂ مذکور کی طرف اشارہ کرتا ہے:-

اہلِ انگلستاں کا آنا سمندر پار سے
ہے سمندر کا بلونا فی المثل اے محترم
زندگی جو اُس سے اہلِ ہند کو حاصل ہوئی
ہے وہ امرت جو کہ پہنچا ہے سمندر سے بہم
اب رہا وہ زہر جس سے حلق شیو کا جل گیا
یہ وہی حق ہے کہ جو ہے واسطے باطل کے سم
جس سے ہوگی محو اگلے دیوتاؤں کی نمود
اور ہوں گے ہاتفانِ غیب گونگے یک قلم
جو مٹائے جائیگا باطل کی ظلمت کے نشاں
صبح صادق کی نہ ہوگی روشنی جب تک عیاں
ہند میں پہلے کبھی جو سلطنت یکسو نہ تھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹) وہ کہتا ہے کہ برٹش حکومت کا ہندوستان میں قائم ہونا اس قصہ کا مصداق ہے۔ گویا انگریز مثل دیوتاؤں کے ہیں جو اپنے علم کی طاقت سے راکشسوں یعنی ہند کے لٹیروں اور پنڈاروں اور ظالم حکمرانوں پر غالب آئے۔ اور وہ جو انگلستان سے کئی سمندر طے کر کے ہندوستان تک پہنچے۔ یہ گویا سمندر کا بلونا تھا۔ اور اُنکی سلطنت سے جو زندگی یعنی امن و رفاہ و آزادی اور جان و مال کی حفاظت ہندوستان کو حاصل ہوئی یہ وہ امرت ہے جو سمندر سے برآمد ہوا۔ اور جس زہر سے مہادیوجی کا حلق جل گیا یا نیلا پڑ گیا تھا اُس سے خود انگریزی سلطنت کو مثال دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح حق باطل کے واسطے زہر ہے اسیطرح یہ سلطنت قدیم سلطنتوں اور اُن کی طرزِ حکومت کے حق میں زہر ہلاہل کا حکم رکھتی ہے۔ اس سے اگلے دیوتاؤں یعنی قدیم بادشاہوں کی حکمرانی کے طریقے سب محو ہو جائیں گے اور اُنکی تائید میں جو غیب سے آوازیں آتی تھیں وہ بند ہو جائینگی اور جبتک کہ ہندوستان میں صبح صادق یعنی علم اور شائستگی کی روشنی نمودار نہ ہوگی اُسوقت تک برابر قدیم زمانہ کی تاریکیوں کو یہ سلطنت محو کرتی رہے گی (حالی)

اس کو امرِ اتفاقی جانتا ہے ابلہی
یہ بھی کہنا غیر ممکن ہے کہ تھی اسلاف میں
تجربہ کی عقل کی - تدبیر و جرأت کی کمی
ہاں مگر تقدیر پر ہے جبکہ ہر شئے کا مدار
چاہیئے کہنا کہ تقدیرِ الٰہی تھی یہی
اکبر اور شاہجہاں کی ذات میں کیا کچھ نہ تھا
سلطنت کی جو لیاقت چاہیئے وہ اُنمیں تھی
دھاک نادر شاہ کی بھی کم نہ تھی شیروں کے کچھ
فتح اُن کی - پر نہ اپنی حد سے آگے بڑھ سکی
آج یہ صوبہ پھرا - کل ملک وہ باغی ہوا
عہد میں سب کے یہی نقشہ یہی صورت رہی

دُور تھا وہ دن کہ سر ہوں اک در پہ سب کے خم   ہند کی فوجیں ہوں ساری زیرِ سلطانی عَلَم

لاٹ پر راجہ اشوکا کے ہیں وہ لاٹھیں گواہ
جن پہ فرماں اُس کے ابتک ثبت ہیں بے اشتباہ
ہند میں از بسکہ یہ لاٹھیں گڑی ہیں دُور دُور
ہے ہویدا ان سے اُسکی وسعتِ تمکین و جاہ
پر - نشانِ فتح جو اول پلاسی میں گڑا
اور پھر کابل میں پہنچی چرخ تک اُسکی کلاہ
مدتیں گزریں کہ وہ اُتر سے لے کر تا دکن
کر چکا ہے حد سے اِن لاٹھوں کی بڑھ کر قطعِ راہ
پُورب اور پچھم میں بھی ڈالا ہے اُس نے دُور دُور

سایۂ عدل و نکوئی۔ پرتو امن و رفاہ
ہم نے یہ مانا کہ پتھر پر ہیں کندہ جو حروف
وہ رہیں گے منقش اس پہ ہزاروں سال و ماہ

نقش ہر اک صفحۂ دل پر ہے جس کا استوار نام ہے وکٹوریا کا اُن سے بڑھ کر پائیدار

مشرقی تاج آج تک تھا پیشِ ربّ ذوالمنن
اک امانت جس سے محرم تھا نہ فرقِ مرد و زن
قبضۂ تقدیر میں اب تک رہا محفوظ وہ
مر گئے اسکی تمنا میں سلاطینِ زمن
ہاں مگر اے فخرِ شاہانِ جہاں وکٹوریا
تھی ترے فرقِ مبارک سے لگی اس کی لگن
گر کہے کوئی کہ اوروں نے نہ کیوں پایا یہ تاج
اس سے کہدو لائقِ حلوا نہیں ہے ہر دہن
گو بہت دنیا میں شاہ و شاہ بانو ہیں مگر
بانوئے برطانیہ کا سب سے بالا ہے چلن
ماں کسی اولاد کو ایسی نہیں ہوتی نصیب
اور نہ ماں کو ایسی بیٹی۔ اور نہ دولھا کو دلھن

رنج سہنے کے لیے ایسے جگر ہوتے نہیں نیک طینت۔ پاک دل ایسے بشر ہوتے نہیں

وہ جزیرہ جو کہ روئے بحر پر ہے مثلِ خال
دھوپ کا اور روشنی کا جسکی سرحد میں ہے کال
جس سے آگے بڑھ کے ہیں آثارِ قدرت ناپدید
کچھ نہیں آتا نظر جز ذاتِ ربّ ذوالجلال

یعنی انگلستاں ۔ ہے جس کی حقیقت اسقدر
شاید اس کے باب میں کوئی یہ کر بیٹھے سوال ١
"کیا ضرورت ہے کہ وہ مختار اور قابض رہے
سرزمین ہند پر ۔ ہے جسکی وسعت کا یہ حال"
اُس سے کہدو ۔ خوں بہے اولاد کا اُسکی جہاں
آب باراں کی طرح ۔ اور بحر و بر ہو جائیں لال
جس کے لینے اور بچانے کیلئے لاکھوں شجاع
جنگ میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہوئے ہوں پائمال
خوں بہا اُن سورماؤں کا ادا ہو کس طرح   مفت اُسے ہاتھوں سے کھو دینا روا ہو کسطرح
اور سب جانے دو ۔ کیا عظمت کی کچھ قیمت نہیں
یا فتوحات نمایاں لائق وقعت نہیں ؟
پے بہ پے فتح و ظفر کی قیمتی زنجیر کیا ؟
دوش پر اک قوم کے پیرایۂ عزت نہیں!
واسطے اولاد کے میراث جس کو چھوڑ جائیں
اسقدر رنگیں دولت و عزت میں کیا برکت نہیں!
سمجھے اس دولت کو جو ناچیز ۔ اُسکی روح کو
جسم خاکی سے جو سچ پوچھو تو کچھ نسبت نہیں
بحث کرنی اُس سے لاحاصل ہے ۔ سمجھا دو اُسے
تجھ کو انگلستاں کی شہرت سے کچھ نسبت نہیں
ناحق ایسے شخص کے کہنے کا تم مانو بُرا
جسکی فطرت میں کہ حیوانوں سے کم خصلت نہیں
فرزانہ

ننگ ذلت ہے نہ کچھ پروائے عزت ہے جسے
ہر مذلت اور پستی پر قناعت ہے جسے

جرأتیں اسپارٹا سے یہ نہ ہوتیں آشکار
گر بزرگوں کی جہیں وہاں نہ ہوتیں یادگار
جب بڑوں کے اپنے سا کے یاد آتے تھے انہیں
آبرو پر جان وتن بڑھ بڑھ کے کرتے تھے نثار
سورما تھر موپلی کا نام سن پاتے ہیں جب
جوش میں آتے ہیں کیا کیا ان کے دل بے اختیار
آئے ہیں اس معرکہ میں کام جو شیر جری
نسل میں انکی وہی عزت رہے گی برقرار
جو کہ دہلی یا آسائی میں ہوئے ہیں فتحیاب
ہموطن بھائی ہوں انکے یا عزیز اور دوستدار
جی چرائیں گے نہ ہرگز جان دینے سے کہیں
فی المثل گردش گنی طاقت سے بھی ہونگے دوچار

تاکہ فتح دہلی و فتح اسائی کا شرف
قوم میں باقی رہے۔ گو اپنی جانیں ہوں تلف

یاد ہوگا سب کو وہ حق کا عتاب اوّلیں
جس نے ڈالی تھی بشر کی ذات میں بنیاد کیں
تفرقہ نے توڑ کر پھینکا تھا سب کو دور دور
تھی پڑی جسوقت بن بولی جتی ساری زمیں
کون ہوگا جس کے دل میں یہ تمنا ہو کہ پھر
ہو وہی پہلا عتاب انساں پہ نازل کہیں
قومیں آپسمیں بہت رکھتی ہیں یہاں جو میل جول

اُن کی عقلیں ہوتی جاتی ہیں زیادہ دُوربیں
ایک حاکم کی رعیّت دوست ہوتی ہے سدا
گر نہ ہو تو ایک دن ہو جائے گی وہ بالیقیں
قوت اور امن و خوشی ہیں ثمرہ ہائے اتفاق
ثمرۂ نا اتفاقی جز ہزیمت کچھ نہیں
نوعِ انساں میں بدی ہے جو کہ پھیلاتی نفاق   کرتا جاتا ہے زمانہ اُس میں پیدا اتفاق
ہے زبردستوں کا یارو بول بالا آج کل
پودنے کی اصل کیا۔ دیووں کا ہو جس جا عمل[1]
اِک ذرا سی ٹھیس میں ہوتا ہے کام اُسکا تمام
دیو کی جُنبش ہے اُس کے حق میں پیغامِ اجل
دے۔ گر انگلستاں کا ساری رعیت مل کے ساتھ
تنگ ہو جائے عدو پر عرصۂ جنگ و جدل
ورنہ وہ ملّت کہ جو دورِ اعظم پر ہے آج
سایہ افگن صورتِ نخلِ تناور فی المثل
کیا تعجب ہے کہ اُس کا سایۂ دُور و دراز
رفتہ رفتہ جائے باہر اپنی سرحد سے نکل
سامنے اس قوم کے انگلینڈ کی ہے وہ مثال
جیسے اِک بالشتیا آجائے پیشِ مردِ یَل
وقت پر سب مل کے گر اُسکا نہ دینگے ساتھ یہاں   اِک طرف ہو جائیگا پلّہ ترازو کا گراں
نوعِ انساں کو ملی ہے جبکہ عقلِ ناتمام

[1] یہ روس کی طرف اشارہ ہے۔ انگلینڈ کو پودنے سے اور روس کو پودنے سے تشبیہ دی ہے

پھر حماقت ہے کہ کیجے آج - کل کا اہتمام
بات جو کل ہو چکی - اُسکی بھی حسرت ہے عبث
رہتے ہیں آج اس لیے ہر حال میں ہم شادکام
جبکہ ایک ہموار رستے پہ چلے جاتے ہیں ہم
دائیں بائیں کے بلند و پست سے کیا ہم کو کام
کچھ دنوں سے چڑھ رہے ہیں ہم بلندی کیطرف
کر چکے قطع - تھے یہاں پُر خطر جتنے مقام
آن پہنچے جب بلندی پر تو لازم ہے کہ اب
خوف کا ہرگز رہے باقی نہ دل میں اپنے نام
جب بلندی پر سے دیکھیں جھانک کے پستی کیطرف
شکرِ حق لائیں بجا - اور بخت کو بھیجیں سلام

جو خوشی دی ہے خدا نے اُس سے جی ٹھنڈا کریں — یاد غمہائے گذشتہ سے نہ دل میلا کریں

راگنی اب وقت کی ہم چھیڑتے ہیں برملا
جس سے ظاہر ہو کہ حالت ہند کی ہے آج کیا
اتفاق اور دوستی نے کر دیا ہے سب کو ایک
اور آزادی[۹] نے کر رکھا ہے ہر اک کو جدا
مملکت فوجوں سے اور قلعوں سے ہے معمور سب
پایۂ نظم و نسق پہنچا ہے تا فوق السما

[۹] یعنی سب کو رائے کی آزادی حاصل ہے - ہر شخص ایک دوسرے کے اور خود گورنمنٹ کے خلاف رائے دینے کا مجاز ہے - گویا آزادی کی حیثیت سے سب جدا جدا ہیں - اور اتفاق کی حیثیت سے سب ایک ہیں ۱۲ (حالی)

سر پہ دو تاج ہمایوں ہند کے رکھے گئے
واجبی حق الغرض مدت کے بعد اسکو ملا
برخلاف اُس ملک کے جو ڈھک رہا ہے برف[1] سے
ہر طرف ہے بن ہی بن اور قحط ہے جاندار کا
بھیڑیوں کے غول پھرتے ہیں بنوں میں چیر کے
تاکہ جو ملجائے وہاں آوارۂ دشتِ بلا

کر کے چھوڑیں اسکو ایسا بیکس و بے خانماں   حشر تک پیارے رہیں فرقت میں اُسکی نوحہ خواں

بارے ایسی ہند کی حالت نہیں زار و نزار
ہے موافق اُس کی وسعت کے رعیّت کا شمار
فرض کیجے کُل بنی آدم کے چھ حصے اگر
ایک حصہ اُس میں اہلِ ہند پائیں گے قرار
ہے یقیں مقدار اسکی اس سے بھی بڑھ جائے کچھ
کیونکہ فتنہ کو نہیں مدت سے ملتا اس میں بار
زندگی کی ریت اب ٹھیرے گی شیشے میں سوا
پیشتر جس کے نکلنے کا بندھا رہتا تھا تار
اس قدر بندوں کی روزی کا ہمیں کیوں فکر ہو
ہے خدا کے حکم پر سب کی معیشت کا مدار
کچھ نہیں تو قحط کا دورہ[2] سلامت چاہیئے
بڑھنے پائیگا نہ آدم زاد کا حد سے شمار

[1] یہ روس کے غیر آباد اور ویران مُلک کی طرف اشارہ ہے ۱۲ (حالی)
[2] اس خیال سے مترشح ہوتا ہے کہ شاعر کے نزدیک غریب ہندوستانیوں کی جانیں خدا کے دین

یاد رکھ اے منکرِ حق - ہے یقیں اصلِ نجات وسوسوں سے اور کھل جاتی ہے راہِ مشکلات

ہر کرن سورج کی اور ہر بوند پانی کی یہاں
لاکھوں جانداروں کے رہنے کو علیحدہ اک جہاں
وہ خدا جس نے بنایا اور پھر پالا اُنہیں
کیا تجھے اور نسل کو تیری نہ دیگا قوت و ناں
ہند کا دریا جو چڑھتا ہے تو چڑھنے دے اسے
تو یقیں کو اپنے رکھ مضبوط بے وہم و گماں
ہے اگر غلبہ کا کثرت پر[۹] رعایا کی مدار
ہند ہو سکتا ہے آدھے ایشیا پر حکمراں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وحشرات الارض سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں - کاش وہ ہندوستان کی آبادی گھٹنے کے لیے یہ امید ظاہر کرتا کہ جسقدر تجارت ، سیاحت اور علوم و فنون کی ملک میں ترقی ہوتی جائیگی - اُسیقدر یہاں کے باشندے ترکِ وطن اختیار کرتے جائیں گے - اور اِس طرح رفتہ رفتہ ملک کے باشندوں کی تعداد ایک مناسب مقدار پر آ ٹھیرے گی -

اس بیان میں ایک اور بھی خلل ہے - وہ یہ کہ اوپر کے شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کی مردم شماری زیادہ ہونیسے اِس بات کا اندیشہ ہے کہ ہندوستان کی پیداوار ہندوستانیوں کی خوراک کے لیے کافی نہ ہو - اور اس سبب سے بہت سے لوگ بھوکے مرنے لگیں - اس اندیشہ کو وہ اِس طرح رفع کرتا ہے کہ جب قحط سالیوں میں لوگ بھوکے مرتے رہینگے تو مردم شماری بڑھنے نہ پائیگی اور ملک کی پیداوار ملک والوں کو کافی ہوگی - گویا بھوک سے مرنیکا علاج بھوک ہی سے مرنا بتایا ہے

[۹] غلبہ کا مدار کثرتِ رعایا پر نہیں ہے بلکہ رعیت کے ذہن میں یہ بات تہ نشین ہونی چاہیے کہ ہمارے اور گورنمنٹ کے مقاصد متحد ہیں اور ہم پر ہماری ہی بہبودی کے لیے حکومت کی جاتی ہے کیونکہ جب تک رعیت کو اس بات کا یقین نہ ہو کیونکر امید کی جاسکتی ہے کہ وہ سلطنت کی جانثار ہوگی (حالی)

کچھ بھی ہمت ہو اگر اس میں تو پھر ممکن نہیں
آنکھ اُٹھا کر دیکھ لے کوئی سوئے ہندوستان
بلکہ خود لے جائے وہ فوج اور لشکر اپنے ساتھ
اور گاڑے جا کے حد میں غیر کی اپنا نشان
اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو بھی کیے جائے بسر
عزت - آزادی، بزرگی آبرو سے اپنے گھر
مملکت اتنی ہو جس کی اور رعیت اس قدر
ہو زمیں ساری خدا کی برکتوں سے بہرہ ور
ایسے سلطانِ بلند اقبال فرخ فال کو
اور پھر کیا چاہیئے ؟ کچھ بھی قناعت ہو اگر
ہے کوئی وادی جہاں میں ہمسرِ کشمیر آج
یا کوئی گنگا کے میداں سے زمیں زرخیز تر
شہر ہے جو مرکزِ کشمیر[1] مانندِ طلسم
طرفہ کیفیت سے ہے لہروں میں ڈل کی جلوہ گر
دیکھتے ہیں آبِ صافی میں جب اُسکا انعکاس
دوسرا وینس کا نقشہ صاف آتا ہے نظر
باغِ شالامار جو رونق فزا ہے اُس کے پاس
ہے وہ اک نیرنگِ قدرت کا تماشا سربسر
سبزہ و نسرین و گُل کی زمیں کہیئے اُسے
صفحۂ گیتی پہ یا خُلدِ بریں کہیئے اُسے
فی المثل تختہ زمرد کا ہے وہاں اک سبزہ زار
سایہ افگن اِس طرح ہیں ہو بہو اُس پر چنار

[1] مرکزِ کشمیر سے مراد شہر "سری نگر" ہے ۱۲

جھیل کے چاروں طرف جس طرح آتے ہیں نظر
زیر و بالا اونچے نیچے گھر قطار اندر قطار
تھی بنانے سے غرض تیرے یہ اے باغِ نسیم
باغِ جنّت کا نہ انساں کو رہے کچھ انتظار
چوٹیاں پربت کی ہیں یوں برف میں لپٹی ہوئیں
جا بجا گویا کھڑے ہیں دیو اور جن پہرہ دار
اُنکی رفعت اور بلندی کی نہیں کچھ انتہا
سینۂ گردوں سے گویا اب نکل جائیں گے پار
روزِ روشن میں جب اُن کا جھیل پر پڑتا ہے عکس
نقرئی پانی کی اُس کی پھر کوئی دیکھے بہار
اور پھر جھرمٹ زنانِ مہ لقا کا ہر طرف (ساماں آفت کا۔ فتنہ کا۔ بلا کا ہر طرف)
جنّت اے کشمیر کوئی تجھ سی دنیا میں نہیں
تو نہیں دیتی بھٹکنے اپنے طالب کو کہیں
ہر چمن یہاں پھول سے اور پھل سے مالا مال ہے
ہر چمن میں یہاں مہیا ہیں مکاں بہرِ مکیں
اِن مکانوں اور خیابانوں سے جب آگے بڑھے
پھر وہ عالم ہے جہاں غیر از خموشی کچھ نہیں
جیسے ہوتا ہے ابد پر وقت جا کر منتہی
ختم ہو جاتی ہے دنیا بھی یہاں آ کر یونہیں
یعنی اقلیمِ ابد اور یہ جہانِ خامشی
طاقتِ انساں کی حد سے ہیں پرے دونو کہیں

طرفہ سنّاٹا ہے اِس سنسان کوہستان پر
جس کی دنیا میں نہیں تمثیل کوئی دل نشیں

ہیں سراسر ناپدید آثار انسانی یہاں ۔ منہ لپیٹے ہیں پڑے اسرار یزدانی یہاں

ڈھونڈ لے گر ان پہاڑوں کی بلندی کی مثال
ظاہر اِن کا اور انگلستان کا ہے ایک حال
جیسے وادی کی زمین سے تافلک پہنچے ہیں یہ
وہ بھی پستی سے پہنچا ہے تا اوجِ کمال
ہے یقین رستے ہی میں ہو جائے کام اُن کا تمام
ہو جنہیں اس کی بلندی تک پہنچنے کا خیال
تا پتی پر آکے انگریزوں نے جب کھولی دکاں
اِک مدت تک ترقی نے نہ بدلی اپنی چال
یعنی اُس دم تک کہ سکھوں سے ہوا گہرا بگاڑ
اور دریا ہو گئے پنجاب کے سب خوں سے لال
لشکرِ مقدونیہ کی قتل گاہ لب پر ہوا
بعدِ مدت گرم پھر ہنگامۂ جنگ و جدال

اہلِ انگلستاں کو جھگڑوں سے فرصت کم ملی ۔ امن کو فتنہ کے ہاتھوں سے فراغت کم ملی

جب بغاوت نے اُٹھایا سر تو اس سے بھی سوا
آگ بھڑکی مرگ کی اور خوں کا دریا بہا
عورتیں اور اُن کے بچے بے گنہ مارے گئے
گھر جلے اور دشمنِ جاں ہو گئے خود دست و پا
بھائی بندوں کی جفائیں دیکھ کر غمگیں ہوئے

اہلِ انگلستاں کے ساتھی تھے جو اہلِ وفا
اور ہزاروں نے یہ باندھے مِلکے منصوبے کہ بس
عزت انگلستاں کی اب خاک میں دیجے ملا
صفحۂ ہستی سے نام اُن کا مٹانے کے لیے
ہوگیا تیار جان و دل سے ہر چھوٹا بڑا
لیکن اُن کی گھات میں تھا شحنۂ قہر و غضب
پھنس گئے پنجہ میں اُس کے یک بیک اہل خطا
گرتے گرتے تھم گیا اقبال کا اُس کے نشاں
پر نہ انگلستاں کا ہو کر رہا آخر گراں
گو ہوئی دلّی پہ حاصل برملا فتح و ظفر
پرچمِ اقبال لہرانے لگا پھر بے خطر
پر نہ اس فتح نمایاں کا ہوا اعلان کچھ
وسوسوں سے دل رہے سب اسلیے زیر و زبر
چونک چونک اُٹھنے لگے راتوں کو بدخوابی سے لوگ
کرگئی دُنیا سے گویا فارغ البالی سفر
صبح کے ہوتے ہی سب کافور ہوجاتی تھیں وہ
شکلیں ہیبت ناک جو راتوں کو آتی تھیں نظر
رائے یہ ٹھیری کہ پائے اب وہ قیصر کا لقب
تابع فرماں ہیں جس فرمانروا کے بحر و بر
قوتِ بازو سے جو حاصل کیا ہے قوم نے
وہ ہمایوں تاج رکھا جائے اُس کے فرق پر
عہد انگلستان کا جو کچھ کہ تھا پورا ہوا
تاکہ سب جانیں کہ رخصت ہند سے فتنہ ہوا

اِس نویدِ روح پرور کی اشاعت کے لیے
ہند میں آیا پرنس آف ویلز انگلستان سے
البرٹ ایڈورڈ جس کے دودۂ اقبال میں
تھے جلیل القدر سلطاں اب سے پہلے ہو چکے
جس کے دادا نے کیا زیر و زبر نظم فرانس
اور بتاتا ہے لقب جس کا پتے اُس جنگ کے
دی فرانسیسوں کو جس میں شکست وہ انگلستان نے
جس سے واقف ہیں فرنگستان کے چھوٹے بڑے
حاکمِ بوہیمیا کی چھین لی تھی جس میں ڈھال
خود ولی عہد زماں نے یاریِ اقبال سے
جس پہ لکھے اعترافِ بندگی کے برملا
حاکمِ بوہیمیا کے دستخط سے ثبت تھے

جمع تھے جس ذاتِ والا میں فضائل اس قدر — وہ ہوا مامور اِس کارِ عظیم الشان پر

وہ مبارک وقت جب لنکا سے لیکر تا عدن
اُس کے آنے کی خوشی میں محو تھے سب مرد و زن
راگ گائے جاتے تھے ہر سُو مبارکباد کے
جوشِ شادی میں در و دیوار تک تھے نغمہ زن
شہر میں جنگل میں ہر میدان میں ہر راہ میں
جمع تھی اُس کے لیے خلق انجمن در انجمن
وہ سُہانے بول شہنا کے وہ باجوں کی جھڑی
پڑ رہی ہے جن کی گویا کان میں اب تک بھنک

کھنچ چکے ہیں اُس ہمایوں جشن کے نقشے بہت
ہیں کبھی ایسے وکٹوریا اے فخرِ شاہانِ زمن
چاہتا ہوں کھینچنا خاکہ اک اُس دربار کا
جس میں پہنی تو نے قبائے قیصری زیبِ بدن

جشنِ جوبلی میں تیرے نام کا ڈنکا بجایا قوم نے　　جو کہا تھا منہ سے آخر کر دکھایا قوم نے

مدرسۃ العلوم مسلمانان

مرتبہ سنہ ۱۸۸ ء

جھٹ پٹے کے وقت گھر سے اک مٹی کا دیا
ایک بڑھیا نے سر رہ لا کے روشن کر دیا
تاکہ رہ گیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
راہ سے آساں گذر جائے ہر اک چھوٹا بڑا
یہ دیا بہتر ہے ان جھاڑوں سے اور اس لیمپ سے
روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جن کی سدا
گر نکل کر اک ذرا محلوں سے باہر دیکھئے
ہے اندھیرا گھپ ۔ در و دیوار پہ چھایا ہوا

سرخرو آفاق میں وہ رہنما مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

ہم نے ان عالی بناؤں سے کیا اکثر سوال
آشکارا جن سے ان کے بانیوں کا ہے جلال
شان و شوکت کی تمہاری دھوم ہے آفاق میں
دور سے آ آ کے تم کو دیکھتے ہیں با کمال
قوم کو اس شان و شوکت سے تمہاری کیا ملا
دو جواب اس کا اگر رکھتے ہو یارائے مقال

سرنگوں ہو کر وہ سب بولیں زبانِ حال سے
ہو سکا ہم سے نہ کچھ۔ الانفعال الانفعال

بانیوں نے تھا بنایا اِس لیے گویا ہمیں
ہم کو جب دیکھیں خلف۔ اسلاف کو رو یا کریں

شوق سے اس نے بنایا مقبرہ اِک شاندار
اور چھوڑا اُس نے اِک ایوانِ عالی یادگار
ایک نے دنیا کے پودے باغ میں اپنے لگائے
ایک نے چھوڑے دفینے سیم و زر کے بیشمار
اِک "محبِّ قوم" نے اپنے مبارک ہاتھ سے
قوم کی تعلیم کی بنیاد ڈالی اُستوار
ہو گی عالم میں کہو۔ سرسبز یہ پچھلی مُراد
یا وہ اگلوں کی اُمیدیں لائیں گی کچھ برگ و بار

چشمہ سرجیون ہے جو۔ بہتا رہے گا یہاں وہی
سب اُتر جائیں گی چڑھ چڑھ ندیاں برسات کی

دور سے اُمید نے جھلکی سی اِک دکھلائی ہے
ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینے آئی ہے
قوم کے پیر و جواں سب ہو گئے تھے مُردہ دل
دردمندی جوش میں چند اہلِ دل کو لائی ہے
پاؤ گے تاریخ میں ہرگز نہ تم اس کی مثال
سلطنت نے قوم کی جو یہاں مدد فرمائی ہے
غیر قوموں نے بھی کی ہے شرطِ ہمدردی ادا

یہ بنا چلتی ہوا تک کو بھی دل سے بھائی ہے

آؤ ہم بھی اے عزیزو! مغتنم سمجھیں اسے
اِک ضروری کام اپنا۔ کم سے کم سمجھیں اسے

یہ مبارک گھر۔ نزولِ خیر و برکت ہے جہاں
جس کی پیشانی سے ظاہر ہیں سعادت کے نشاں
یہ نہالِ تازہ جس کو اک زمینِ شور میں
خرّم و سرسبز کرنا چاہتے ہیں باغباں
یہ مسیحائی علاج اُس دردِ بے درماں کا
لادوا ٹھیرا چکے تھے جس کو اطبائے زماں
یہ نمونہ اُس عزیزِ مصر کا جس نے ستم
جن کے ہاتھوں سے سہے۔ دی قحط سے انکو اماں

عہد و پیماں اے عزیزو! تم سے کچھ لینے کو ہے
قوم کو پھر برکتیں بے انتہا دینے کو ہے

آ رہی ہے اِس مکاں کے گوشہ گوشہ سے صدا
قوم اگر سمجھے تو ہوں میں بھی قوم کا حاجت روا
ہے کوئی اکسیر دنیا میں۔ تو ہوں اکسیر مَیں
اور اصلِ کیمیا کچھ ہے۔ تو مَیں ہوں کیمیا
ہاتھ آجاتا سکندر کو اگر میرا سراغ
چھوڑ دیتا جستجوئے چشمۂ آبِ بقا
میرے جو حامی ہیں اُنکی یوں پھیلیں گی کوششیں
ایک دانہ سے ہوں خوشے جس طرح بے انتہا

ہے عبث۔ گر قوم نے بے وقت پہچانا مجھے
برکتیں اُن پر جنھوں نے وقت پر جانا مجھے

اُن سے کہہ دو۔ قوم میں ہیں جو کہ عالی خانداں
یا جنھیں جاگیر و منصب پر ہے نازِ بیکراں
کیا لیے بیٹھے ہو فخرِ منصب و جاگیر کو
منصب و جاگیر ہیں سب۔ کوئی دن کے میہماں
تم نہیں رتبہ میں بڑھ کر تغلق و تیمور سے
تنگ ہے آج اُن کی نسلوں پر زمین و آسماں
چھوڑ جاؤ واسطے اولاد کے کوئی سپر
ورنہ وار اپنا کرے گی۔ گردشِ دورِ زماں

آؤ باندھو عہد مجھ سے اور میرا ساتھ دو
میرا سودا نقد ہے۔ اِس ہاتھ دو اُس ہاتھ لو

میں تمھیں پستی سے پہنچاؤنگا تا اوجِ کمال
میں تمھیں دیکھونگا جب گرتا ہوا۔ لونگا سنبھال
میں بناؤں گا تمھارے کام سب بگڑے ہوئے
میں سمجھاؤں گا زمانہ کی تمھیں سب چال ڈھال
جو کریں گے آج میری دست و بازو سے مدد
میں سدا کرتا رہوں گا اُن کی نسلوں کو نہال
قوم کا حامی ہوں اور اسلام کا یاور ہوں میں
چاہو دارالکفر سمجھو مجھ کو۔ یا دارالضلال

میں دکھا دوں گا کہ جو دشمن تھے میرے نام کے

تھے حقیقت میں وہ دشمن قوم اور اسلام کے

ملک میں عزت سے رہنا میں سکھاؤں گا تمہیں
سلطنت کا مسند پہ بیٹھنا - بتاؤں گا تمہیں
قابلیت تم میں بڑھنے کی ہے دیکھوں کس قدر
بڑھ سکو گے جس قدر اُتنا بڑھاؤں گا تمہیں
تب یہ سمجھو گے کہ ہم سوتے تھے کب سے بے خبر
رفتہ رفتہ جب خوابِ غفلت سے جگاؤں گا تمہیں
یاد ہوگا تم کو وہ کھویا ہوا اپنا خطاب
پھر مخاطب "خیرِ اُمت" کا بناؤں گا تمہیں

مہر کو دیکھو گر مرے دعووں میں ہو کچھ اشتباہ
مدعیٔ روشن آپ اپنی روشنی پر ہے گواہ

بارک اللہ! اے ریاضِ علم! اے عین الحیات
ہے ہمارے بخت و دولت کی عناں اب تیرے ہاتھ
ہو تو ہو اب روشنی تیری دلیلِ کارواں
چار سو کالی گھٹا چھائی ہے اور کالی ہے رات
قوم سے تو بھی یونہی جہل اور تعصب کو مٹا
جس طرح دینِ حنیفی سے مٹے لات و منات
چھوڑ جائیں گے جہاں میں جو کہ تجھ جیسے نشاں
چھوڑ جائیں گے وہی کچھ باقیات الصالحات

ایک یا بہت جماعت جب سے تیرے ساتھ ہے
ہم سمجھتے ہیں ترے سر پر خدا کا ہاتھ ہے

تو سدا آباد رہ اے قوم کی اُمیدگاہ!
اے یگانوں اور بیگانوں کے یکساں خیرخواہ
دیکھتے ہیں غیر۔ حیرت اور تعجب سے تجھے
قوم نے اب بھی اگر سمجھا نہ تجھ کو۔ آہ! آہ!
اپنے حامی آپ پیدا کر۔ کہ کوہ سربلند
اپنی پونجی سے ہے آپ اپنے لیے پشت و پناہ
خیر کی امید رکھنی ہے عبث۔ اُس قوم سے
آپ کو جس نے کیا ہو اپنے ہاتھوں سے تباہ

چارہ آخر کچھ نہیں حالیؔ بجز صبر و سکون
کر دعا آپ اِهْدِ قَوْمِي اِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْن

شکوہ ہند

یہ پُرزور اور پُراثر ترکیب بند ۱۸۸۸ء کی تصنیف ہے۔ اسمیں مولانا نے کمال عمدگی کے ساتھ مسلمانوں کی پہلی حالت کا حالتِ موجودہ سے موازنہ کرکے بتایا ہے کہ ہماری پہلی حالت اور ہماری اس حالت میں کتنا زمین آسمان کا فرق ہے۔ پہلے کونسی اچھی عادت اور عمدہ اخلاق تھے جو ہم میں نہ تھے اور اب کونسی بُری خصلت اور افعالِ شنیعہ ہیں جن کے ہم مرتکب نہیں یہ ترکیب بند اپنے پُرزور طرزِ بیان اور اپنی سلاست و روانی کے لحاظ سے مولانا کی نہایت مشہور نظموں میں سے ایک ہے۔ (اسمٰعیل)

بندِ اول

(احساناتِ ہند بر مسلمانان)

رخصت اے ہندوستاں! اے بوستانِ بیخزاں
رہ چکے تیرے بہت دن ہم بدیسی میہماں
آج گو شکووں سے ہیں لبریز ہم اے خاکِ ہند
ہیں مگر احسان اگلے تیرے سب خاطر نشاں
تو نے بیگانوں کی خاطر کی یگانوں سے سوا
میہماں تھے۔ پر بنایا تو نے ہم کو میزباں
تیرے باغوں کی فضاؤں نے دیے دل سے بھلا
شعبِ بوّان و سمرقند و دمشق و اصفہاں

یاد کچھ جیحوں رہا ہم کو - نہ دجلہ اور فرات
تیرے گنگا جل نے جب سے تر کیے کام و زباں
تیری کاشی کی کشش نے کر دیے ہم سے جدا
یثرب و بطحا و صنعا و زبید و نہرواں
تیرے ذوقِ نیشکر نے کر دیے سب دل سے محو
بصرہ و طائف کے نارستاں اور خرماستاں
فصلِ گل میں دیکھ کر جوبن تہا بن کا ترے
مرو اور شیراز کے بھولے چمن اور گلستاں
تیرے سر جیون پہاڑوں نے دیا جی سے اتار
نہر رکنی اور گلگشت مصلےٰ کا سماں
دعوتیں بھولیں سمرقندی و شیرازی تمام
اس قدر الوانِ نعمت کے لگائے تو نے خوان
نقش ہیں دل پر ہمارے سب مداراتیں تری
ہم نہ بھولیں گے کبھی دن تیرے اور راتیں تری

بند دوم

(انجام عنایت)

تھی ہماری قوم و ملت رسم و عادت سب جدا
رشتہ و پیوند کوئی ہم میں اور تجھ میں نہ تھا
بول چال اپنی الگ تھی اور زباں تیری الگ
تجھ سے ہم تھے اجنبی، اور ہم سے تو ناآشنا

ہم میں اسے ہندوستان اگو بُرسکہ جنسیت نہ تھی
تو نے لیکن اپنی آنکھوں پر لیا ہم کو بٹھا
تو نے سونپی مُہرِ دولت ہم کو اور طبل و نشاں
تو نے بخشے قصر و ایواں ہم کو اور بُستاں سرا
تو نے ثروت دی۔ حکومت دی۔ ریاست دی ہمیں
شکر کس کس مہربانی کا کریں تیری ادا؟
نبھ سکیں لیکن نہ آخر تک یہ خاطر داریاں
جو دیا تھا تو نے آخر کو سب رکھوا لیا
خیر۔ اپنے مال کا تو ہر طرح تھا اختیار
جس سے چاہا لے لیا۔ اور جس کو چاہا دیدیا
کھینچ لیں اپنی۔ اُسی دم اُٹھ کے گدّی سے زباں
بھول کر بھی گر زباں پر اس کا آجائے گلا
پَر۔ گلا یہ ہے کہ جو کچھ اپنا ہم لائے تھے ساتھ
وہ بھی تو نے ہم سے لیکر کر دیا بالکل گدا
آدمیّت کے تھے جو ہر جو ہماری ذات میں
خاک میں آخر دیے اے ہند اس سب تو نے ملا

یاد ہوگا تجھ کو یہاں آئے تھے ہم کس شان سے
تجھ کو سوگند اپنے سَت جُگ کی بتا ایمان سے

بند سوم
(فہرست فضائل مسلمانان)

ترکمانی صولت اور مُغلی جلادت ہم میں تھی

عزم کُردی ہم میں تھا۔ بدوی حمیّت ہم میں تھی
ہاشمی آداب و عباسی فضائل ہم میں تھے
نطقِ اعرابی و عدنانی فصاحت ہم میں تھی
ضربِ کراری و حربِ خالدی رکھتے تھے ہم
سطوتِ حمزی و فاروقی جلالت ہم میں تھی
عرقِ غیرت تھی دلیل اپنی شرافت کی۔ نہ مال
چھینتی ہے جس سے دولت وہ شرافت ہم میں تھی
آج خادر تھا مقام اپنا۔ توکل تھا با ختر
عیش و عشرت کی نہ فرصت تھی نہ عادت ہم میں تھی
ننگ تھا ہم کو مشقت سے۔ نہ مزدوری سے عار
جو بزرگی تھی مشقت کی بدولت ہم میں تھی
ہم شتربانی سے پہنچے تھے جہانبانی تلک
اس لئے باقی شتربانوں کی خصلت ہم میں تھی
جو نشاں اقبالمندی کے ہیں وہ سب ہم میں تھے
حبِّ دینی ہم میں تھا۔ قومی مودّت ہم میں تھی
گھر ہمارے اور ہم سب۔ وقف مہمانوں پہ تھے
بیڑ بی مہماں نوازی و ضیافت ہم میں تھی
پھوٹ سے واقف نہ تھے ہم تیری ای ہندوستاں
احمدی اخلاق و اسلامی اُخوت ہم میں تھی

چھین لی سب ہم سے یہاں شانِ عرب آنِ عجم
تو نے۔ اے غارت گرِ اقوام و اکّالُ الامم

بندِ چہارم

(حالاتِ موجودہ)

آئے تھے اے ہند! یہاں ایسے ہی ہم زار و نزار
ہے عرب کو جن سے ننگ اور ہے عجم کو جن سے عار
ہم انہیں اسلاف کے معلوم ہوتے ہیں خلف؟
جن کی تھی محکوم نسلِ رستم و اسفندیار
ہم انہیں باپوں کے بیٹے تجھ کو آتے ہیں نظر!
جن کی جولانگاہ تھی "تاتار سے "تا زنجبار
ہیں ہمیں اے آریاورت! اُن سواروں کے سپوت؟
جن کی دوڑوں سے ہیں واقف تیرے دشت و کوہسار
ہم سدا سے خاکسار ایسے ہی تھے اے خاکِ ہند؟
اُڑتی پھرتی تھی زمانہ میں یہی مشتِ غبار؟
تھیں یہی شکلیں ہماری۔ تھا یہی رنگ و روپ؟
تھی یہی سیرت ہماری؟ تھا یہی اپنا شعار؟
گر سلف دیکھیں ہمارے۔ زندہ ہو کر اب ہمیں
آئے نسبت اور قرابت سے ہماری اُن کو عار
سیرتیں تو نے بدل دیں۔ مسخ کر دیں صورتیں
آبرو تو نے ڈبو دی۔ کھو دیا تو نے وقار
کر دیا شیروں کو تو نے گوسفند اے خاکِ ہند
جو شکار افگن تھے۔ آ کر ہو گئے یہاں خود شکار

نکتیں یہ سب - جبھی سے ہم کو آتی تھیں نظر
آئے تھے یہاں - جبکہ اپنا چھوڑ کر ملک و دیار

تھا یقیں ہم کو کہ شامت رفتہ رفتہ آئے گی
ہم کو تو - اے خاکِ ہند! آخر تو نہیں کھا جائیگی

بند پنجم

(نتیجۂ حرص)

دیکھتے ہیں اب وہی آنکھوں سے صبح و شام ہم
جو مدار اتوں کا سمجھے تھے تری۔ انجام ہم
توڑ ڈالے جلد تو نے عہد اور پیمان سب
"بے وفا" سنتے تھے سچ اے ہند! تیرا نام ہم
"دیر تک رہتا ہے جو انساں - نہیں رہتا عزیز"
سنتے ہیں دیوار و در سے تیرے یہ پیغام ہم
عیب جو دنیا میں ہیں وہ ہم پہ تھوپے جاتے ہیں
کیا زمانہ میں ہمیشہ تھے یونہیں بد نام ہم؟
سب کو ہو جاتا ہے ناکامی کا پہلے ہی یقیں
اُٹھتے ہیں کرنے کو جب ہمت کا کوئی کام ہم
تو نے دیکھا تھا کبھی اسلامیوں کا حال یہ؟
کیا وطن سے لے کے نکلے تھے یہی اسلام ہم؟
بس! زیادہ جینے سے اپنے کیا حاصل ہے؟
پس چکے اے آسیائے گردشِ ایام ہم

شکوہ قسمت کا ہے جو یہاں کھینچکر لائی ہمیں
تجھ کو اے ہندوستاں! کس منہ سے دیں الزام ہم
پھر گئی سرحد سے تیری فوجِ یوناں جس طرح
کاش! پھر جاتے یونہیں در سے ترے ناکام ہم
رہتے قانع اپنی محنت اور مزدوری پہ کاش
آکے یہاں پاتے نہ ذوقِ راحت و آرام ہم

دشمن اپنا ہو گیا سود اے مال و جاہ حیف
حرص نے طعمہ کی شیروں کو کیا روباہ حیف

بند ششم

(یاد ایام گذشتہ)

وہ مسلمانوں کی ہر بازی میں سبقت کیا ہوئی
وہ حجازی غیرت اور ملّی حمیّت کیا ہوئی؟
ہم مسلمانوں سے ہے اے ہند! ننگ اسلام کو
تھا لقب "خیر الامم" جس کا۔ وہ امت کیا ہوئی
جی کسی کی عزت افزائی سے خوش ہوتا نہیں
دل گواہی جس پہ دیتا تھا۔ وہ عزت کیا ہوئی
دین و دولت۔ علم و دانش۔ ہم میں کچھ باقی نہیں
حق نے پوری کی تھی جو ہم پر۔ وہ نعمت کیا ہوئی
ملک و مال و سلطنت۔ اک آنی جانی چیز تھی
جو ہمیشہ رہنے والی تھی وہ دولت کیا ہوئی؟

قریہ قریہ ترے علم و فضل سے معمور تھا
اب وہ اے اسلام! تری خیر و برکت کیا ہوئی؟
جس نے مغرب کو کیا مشرق۔ وہ سورج کیا ہوا؟
جس سے گھر گھر بن گیا "یوناں"۔ وہ حکمت کیا ہوئی
کوہ و دریا جن کے ہوتے تھے نہ ہرگز سدِّ راہ
وہ ارادے کیا ہوئے؟ اور وہ عزیمت کیا ہوئی
کوئی مشکل ہم کو میداں سے ہٹا سکتی نہ تھی
وہ ثبات اور پائیداری اور وہ ہمت کیا ہوئی؟
ہو گی اے ہندوستاں! آمد ہماری تجھ کو یاد
وہ مسلمانوں کی ہیئت اور وہ صورت کیا ہوئی
وہ بر و دوش اور وہ سینے پہلوانی کیا ہوئے
وہ قد و بالا و چہرے ارغوانی کیا ہوئے؟

بند ہفتم

(خصائص اہلِ اسلام۔ غیرت و حمیت)

جب تک اے ہندوستاں! ہندی نہ کہلاتے تھے ہم
کچھ ادائیں آپ ہیں۔ سب سے جدا پاتے تھے ہم
اپنی خود کرتے تھے عزت۔ گر نہ کرتا تھا کوئی
سر ہر اک فرعون کے آگے نہ نہواڑتے تھے ہم
حاجتیں ہوتی تھیں جو اپنی۔ روا کرتے تھے آپ
ہاتھ آگے میر و سلطان کے نہ پھیلاتے تھے ہم

تھے اُسے نعمائے سلطانی سے بہتر جانتے
اپنی محنت سے اگر نانِ جویں کھاتے تھے ہم
تھے نہ کرگس اور زغن کی طرح ہم مُردار خوار
تھا وہی قوت اپنا۔ جو خود مار کر لاتے تھے ہم
تھی اُولوالعزمی و ہمت اپنی مفتاحِ ظفر
چار سُو راہیں معیشت کی کھلی پاتے تھے ہم
جب کبھی جس کام کی ٹھانی۔ جدھر منہ اُٹھ گیا
پھر پلٹ کر واں سے خالی ہاتھ کم آتے تھے ہم
جی چُراتے تھے نہ مکروہاتِ عالم سے کبھی
اور خلافِ چرخِ دوراں سے نہ گھبراتے تھے ہم
اسپِ تازی کی طرح تھی قومِ تازی بھی غیور
جب کوئی بڑھتا تھا ہم سے تلملا جاتے تھے ہم
بے حمیّت کو ہماری اک زمانہ جانتا
سرد ہو جاتے تھے سب جب وقت گرماتے تھے ہم

حال اپنا سخت عبرتناک تُو نے کر دیا
آگ تھے اے ہند! ہم کو خاک تُو نے کر دیا

بند ہشتم

(خدمتِ مہمان و ہمسایہ)

کھا کے نعمت۔ دل ہمارا شادماں ہوتا نہ تھا
ساتھ دسترخوان پہ گر میہماں ہوتا نہ تھا

کرتے تھے مہماں ہمارے ۔ ماحضر پر اکتفا
تنگ دل مہماں سے کوئی میزباں ہوتا نہ تھا
ہم کو پہنچی تھی "خلیل اللہؑ" سے خواں گستری
عسرت اور تنگی میں بھی ٹلے اپنا خواں ہوتا نہ تھا
رکھتے تھے بچوں کو بھوکا اپنے مہماں کے لیے
خرچ سے گھر کے سوا کھانا جہاں ہوتا نہ تھا
تھا مسافر کے لیے ایک ایک گھر مہماں سرا
ہم کو کچھ غربت میں فکر آب و ناں ہوتا نہ تھا
میہمانوں کو تھے اپنے گھر کی برکت جانتے
ٹھیرنا مہماں کا برسوں گراں ہوتا نہ تھا
جانتے تھے ہم کہ ہے اس پر خدا نامہرباں
جو کہ ہمسائے پہ اپنے مہرباں ہوتا نہ تھا
ہم ہر اک آفت میں ہمسایوں کی رہتے تھے سپر
دشمنوں سے اپنے اُن کو خوفِ جاں ہوتا نہ تھا
چپکے چپکے حاجتیں کرتے تھے سب اُنکی روا
فقر و فاقہ اُن کا خلقت پر عیاں ہوتا نہ تھا
پیٹ بھر لیں اپنا ۔ اور ہمسایہ فاقہ سے رہے
اتفاق آگے یہ اے ہندوستاں! ہوتا نہ تھا

یوں نہ ہمجنسوں سے کرتی تھیں یہ آنکھیں چوریاں
تو نے اپنی سی سکھا دیں ہم کو تنہا خوریاں

بند نہم

(محبت و صداقت)

جس سے کرتے تھے محبت - بے ریا کرتے تھے ہم
جس سے ہوتی تھی شکایت - برملا کرتے تھے ہم
شکوہ ہوتا تھا تو اکثر مُنہ پہ کہہ دیتے تھے ہم
شکر کرتے تھے تو غیبت میں سِوا کرتے تھے ہم
دوست بن جاتے تھے جس کے - اُس سے کرتے تھے نباہ
عہد کرتے تھے تو عہدوں کو وفا کرتے تھے ہم
جن کے ہو جاتے تھے ساتھی - اُنکا ہم دیتے تھے ساتھ
رنج و راحت میں شریک اُنکے رہا کرتے تھے ہم
کرتے تھے عُسرت میں اُنکے واسطے فکرِ معاش
اُن کی بیماری میں تدبیر اور دوا کرتے تھے ہم
کام میں یاروں کے - اپنے کام سب دیتے تھے چھوڑ
اِس میں روزے اور نمازیں تک قضا کرتے تھے ہم
یار کوئی مر کے اپنے سے بچھڑ جاتا تھا جب
یار کی اولاد پر جانیں فدا کرتے تھے ہم
سنتے تھے اپنے بڑوں کا جن سے پیار اور اتحاد
اُن کی نسلوں سے وہی رسمیں ادا کرتے تھے ہم
دشمنوں کی زد میں دیتے تھے نہ آنے ہم کو دوست
ٹوک دیتے تھے ہمیں - جب کچھ خطا کرتے تھے ہم

آج وہ کام آئے اپنے - کل ہم اُن کے آئے کام
بارہا باہم سلوک ایسا کیا کرتے تھے ہم
تو نے اے ہندوستاں! کھو دیں کہاں وہ یاریاں
یاریاں ہم میں رہیں باقی - نہ غم خواریاں

بند دہم

(یک رنگی و برادرانہ مساوات)

تیرے سایہ سے رہے اے ہند! جب تک دور ہم
اپنی یک رنگی رہی ضرب المثل بین الامم
مل گیا جو ہم میں آ کر پھر نہ تھے ہم پوچھتے
روم ہے یا ترک؟ ارمن ہے؟ عرب؟ یا ہے عجم؟
ملت بیضا نے قوموں کی مٹا دی تھی تمیز
تھے بلالؓ و جعفرؓ و سلمانؓ برابر محترم
ایک رنگت میں اخوت کی تھے سب رنگے ہوئے
اسود و احمر تھے جو اسلام کے زیر علم
زنگی و خوارزمی و تاتاری و ہندی
ایک دسترخوان پہ کھاتے تھے سب مل کر بہم
گو سدا آپس میں لڑتے اور جھگڑتے تھے - مگر
وقت جب پڑتا تھا آکر ایک ہو جاتے تھے ہم
فرق رکھا تھا کہ وہ بھی نہ کچھ اسلام نے
تھے برابر نفقہ و کسوت میں آقا اور خدم

حق خلیفہ کا نہ تھا اُس میں رعیت سے سوا
جمع بیت المال میں ہوتی تھی جو آکر رقم
ٹوک دیتا تھا سر دربار۔ بڑھ کر اک غلام
گر کہیں بے راہ اُٹھ جاتا تھا حاکم کا قدم
شوکت دیں کے سوا۔ شوکت نہ تھی کوئی اُنہیں
ننگ تھے لیکن نہ پاس آتا تھا اپنے کبر و جم
صحبتوں میں تکیہ و مسند کا آئیں کچھ نہ تھا
مجلسوں میں امتیاز صدر و پائیں کچھ نہ تھا

بند یازدہم

(راستی و صدق مقال)

راستبازی میں ہماری لوگ دیتے تھے نظیر
فرد تھے پاس سخن میں قوم کے برنا و پیر
دوست دشمن کو ہمارے قول پر تھا اعتبار
دے چکے جب ہم زباں۔ پھر تھی وہ پتھر کی لکیر
تھے تو تھے بھی ہم میں۔ [illegible] کبھی۔ [illegible]
تھا سخن کا اپنے لیکن پاس سب کو ناگزیر
کوئی بدعہدی سے بڑھ کر نہ تھا عیب اُن کے لیے
حق جنہیں کرتا تھا ہم میں۔ وارث تاج و سریر
جیسے رہزن اور لٹیرے تھے ہمارے امتیاز
رہنماؤں میں نہیں پاتے ہم آج اُن کی نظیر

دل میں کچھ ہو اور زباں پر کچھ۔ یہ خاصیت نہ تھی
خاک میں اُس سرزمیں کی۔ جس سے تھا اپنا خمیر
جنگ تھی تو برملا تھی۔ صلح تھی تو بے ریا
ہم کو زہر آتا نہ تھا دینا۔ بنا کر جامِ شیر
منہ سے جو کہہ بیٹھتے تھے۔ کر دکھاتے تھے وہی
ہے گرج کر پھر برستا جس طرح ابرِ مطیر
چھاؤں میں ہم جا کے تلواروں کے کہہ آتے تھے حق
غالب آتا تھا نہ ہم پر خوفِ سلطان و امیر
پر بنایا جب سے ہم نے ملجا و ماویٰ تجھے
راستبازی ہو گئی اے ہند! ہم سے گوشہ گیر
کر دیے تو نے تمام اسلام کے ارکان سست
ہو گئے بودے ہمارے عہد۔ اور پیمان سست

بندِ دوازدہم
(وفورِ علم و حکمت)

شرق سے تا غرب جب عالم میں تھا قحط الرجال
تھی ہماری قوم میں ارزانیِ اہلِ کمال
علم و حکمت نے ہماری آن کر لی تھی پناہ
روم اور یونان پر جب چھا گیا جہل و ضلال
جاہلوں کا تھا ہماری قوم میں گھاٹا یونہیں
جیسے اب لکھے پڑھے ملتے ہیں ہم میں خال خال

منع۔ استدلال یا توجیہ - یا تحقیق حق
تھی یہی اکثر ہماری مجلسوں میں قیل وقال
تُرک میں وحشت رہی تھی اور نہ جہل اعراب میں
دین بیضا نے دیا تھا آگے کانٹا سا نکال
علم بھی جاتا تھا۔ جاتے تھے جہاں ہم۔ ساتھ ساتھ
علم نے اسلام سے باندھا تھا پیمانِ وصال
سیم وزر کم چھوڑ کر جاتے تھے ہم میراث میں
تھی کتاب اپنی بضاعت اور ادب اپنا تھا مال
خلق کرتی تھی ہماری ریس۔ رسم و راہ میں
کر دیا تھا علم نے سب کے لیے ہم کو مثال
آج جس علم و ہنر سے ہے چراغاں بزمِ دہر
ہم نے بنیاد اُس کی دی تھی بیشتر دنیا میں ڈال
تھی ہماری دولت اے ہندوستاں! فضل و ہنر
آ گیا تیری بدولت اپنی دولت کو زوال
ہم کو ہر جوہر سے یوں بالکل معرّا کر دیا
تو نے اے آب و ہوائے ہند یہ کیا کر دیا

بندِ سیزدہم

(آخری نوحہ)

ہم نے یہ مانا کہ جب گلشن میں ہو فصلِ خزاں
بے محل ہے چھیڑنی وہاں عہدِ گل کی داستاں

ہو خلف پر ابر جب چھایا ہوا ادبار کا
پھر سلف کی شان و شوکت کیجے کس منہ سے بیاں
ہیں یہ باتیں بھول جائیں گی۔ مگر کیونکر کوئی؟
بھول جائے رات کا سب صبح ہوتے ہی سماں
بزم کو برہم ہوئے مدت نہیں گذری بہت
اُٹھ رہا ہے گل سے شمع بزم کے ابتک دھواں
کہہ رہے ہیں نقش پائے رہرواں سے ٹھاکیے پیندا!
"یہاں سے گذرا ہے ابھی اک باقبال کارواں"
گو یقیں ہے رفتہ رفتہ یاد ایام سلف
دل سے چھوٹے گی مٹا کر گردش دور زماں
بھول جائیں گے کہ تھے کن ڈالیوں کے ہم ثمر
ٹوٹ کر آئے کہاں سے؟ اور پہنچے آکر کہاں!
پر زمانہ میں رہیں گے "تاقیامت یادگار"
جو کیے برتاؤ تو نے ہم سے اے ہندوستاں!
ماجرا ہوگا ہمارا عبرت۔ اوروں کے لیے
چیت جائیں گے بہت۔ سن کر ہماری داستاں
آگ سے رہتا ہے جیسے دور دور آتش پرست
حکمراں تیرے یونہیں تجھ سے رہیں گے برکراں
برکتیں یہاں چھوڑ کر ہم اپنی جائیں گے بہت
ہم نہ ہوں گے پر نصیحت ہم سے پائیں گے بہت

مسلمانوں کی تعلیم

مرتبہ ۱۸۸۹ء

بہ تحریک سید محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے چوتھے اجلاس میں بمقام علیگڈھ
پڑھا گیا تھا

بندِ اوّل

زمانہ دیر سے چلا رہا ہے اے مسلمانو!
کہ ہے گردش میں میری غیب کی آواز پہچانو
سنے ہوں گر نہ معنی لا تسبوا الدھر کے تم نے
تو اب سن لو کہ ہوں میں شانِ ربانی مجھے مانو
وہ ناصح اور ہوں گے جن کا کہنا ٹل بھی جاتا ہے
اگر میری نہ مانو گے تو پچھتاؤ گے نادانو!
مری بازی کا منصوبہ گیا اب کا پلٹ یارو
خبر تم کو بھی ہے کچھ ۔ اے مری چالوں سے بیگانو......

گئے وہ دن کہ نفریں کرتے تھے دیندار دنیا پر
بقائے دین و ملت منحصر دنیا پہ اب جانو

ف۱ یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں لا تسبوا الدھر فان الدھر ھو اللہ یعنی زمانہ کو برا نہ کہو کیونکہ وہ بھی ایک شان ہے شیونِ الٰہی میں سے اور زمانہ کے جو واقعات تم کو ناگوار گزرتے ہیں وہ درحقیقت خدا کے کام ہیں ۱۲ (حالی)

گئے وہ دن کہ ثروت باپ دادا چھوڑ جاتے تھے
بس اب ثروت ہے مزدوروں کا حصہ اے تن آسانو
گئے وہ دن کہ لاکھوں بے ہنر یہاں عیش کرتے تھے
ہوا ہے سب بے ہنر جینا بھی اب مشکل مری جانو
مٹے ہو جس ہنر اور فن پہ تم - وہ مٹنے والے ہیں
یہ سودا کب تک اے شمعِ سحرگاہی کے پروانو
بھرا سمجھے ہو جس گھر کو - نہیں گیا نہ وہاں کوئی
کہاں بیٹھے ہو تم - اے خانۂ ویراں کے دربانو
نصیحت میری مانو - اب بھی اپنی ہٹ سے باز آؤ
پھری جس وقت دیکھو مری چتون - تم بھی پھر جاؤ

بندِ دوم

گیا دورہ حکومت کا - بس اب حکمت کی ہے باری
جہاں میں چار سُو علم و عمل کی ہے عملداری
جنہیں دُنیا میں رہنا ہے - رہے معلوم یہ اُن کو
کہ ہیں اب جہل و نادانی کے معنی ذلت و خواری
ضرورت علم و دانش کی ہے ہر فن اور صناعت میں
نہ چل سکتی ہے اب بے علم تجارت نہ سعاری
جہاں علمِ تجارت میں نہ ماہر ہوں گے سوداگر
تجارت کی نہ ہوگی تا قیامت - گرم بازاری

نہ آئے گی پسند اُن نوکروں کی خدمت وطاعت
جنہیں پائیں گے آقا زیورِ تعلیم سے عاری
اگر چاہیں گے کوئی آدمی گھوڑوں کی سائیسی
تو دینا ہو گا اُن کو امتحانِ علمِ بیطاری
نہ مستغنی لکادل علم سے ہیں اب - نہ باورچی
ہوا ہے مدرسوں سے مطبخوں تک فلسفہ جاری
یقیں جانو کہ آئندہ ملے گی درسگاہوں میں
گر آٹا پیسنے کو چاہیئے گی - اِک پسنہاری
کوئی پیشہ نہیں اب معتبر - بے تربیت ہرگز
نہ فصّادی - نہ جرّاحی - نہ کحّالی - نہ عطّاری

جہاں تک دیکھیے تعلیم کی فرماں روائی ہے
جو سچ پوچھو تو نیچے علم ہے - اوپر خدائی ہے

بند سوم

گئے وہ دن کہ تھا علم وہنر انسان کا زیور
ہوئی ہے زندگی خود منحصر اب علم ودانش پر
کوئی بے علم - روٹی سیر ہو کر کھا نہیں سکتا
نہ زرگر اور نہ آہنگر - نہ بازی گر - نہ سوداگر
مہندس چاہیئے مزدور اب - اور راج اقلیدس
بس اب دنیا میں بے علموں کا ہے اللہ ہی یاور

نہ پہنچے گا کوئی جاہل کی شاہدی ہوئی جوتی
بس اب سوچی فلاطون سے تو نہیں کچھ ہو نفع ہو کمتر
جہانداری میں آج ایک ایک عامل ہے جم و کسریٰ
جہانگیری میں ہے ایک اک سپاہی طغرل و سنجر
گئے وہ دن کہ تھے محدود کام انسان کے سارے
برابر تھا بئے کا گھونسلا ۔ اور آدمی کا گھر
یہ دورہ ہے بنی آدم کی روز افزوں ترقی کا
جو آج اک کام ہے اعلیٰ تو کل اس سے اعلیٰ تر
کوئی دن میں خسارہ سب سے بڑھ کر اسکو سمجھیں گے
کہ دو دن آدمی ٹھیرا رہے یہاں ایک حالت پر
نہ تھا بغیر از ترقی فرق کچھ انسان و حیوان میں
دیا ہے امتیاز انسان کو یہ تعلیم نے آکر

زمانہ نام ہے میرا تو میں سب کو دکھا دونگا
کہ جو تعلیم سے بھاگیں گے ۔ نام ان کا مٹا دونگا

بند چہارم

ہمارے شکر سے اے قوم احسان اسکا بالا ہے
کہ جس نے قوم کی تعلیم کا یہاں ڈول ڈالا ہے
خدا کی برکت اور رحمت ہو نازل تجھ پہ اے سید
کہ تو نے بجا ہو کا ڈوبتا بیڑا سنبھالا ہے

فدائی قوم کے تجھ سے ہی گذرے ہونگے دُنیا میں
کہ دل سوزی کا جن کی آج قوموں میں اُجالا ہے

بھلائی کا تری احسان مانیں یا نہ مانیں ہم
بھلائی کرنے والوں کا ہمیشہ بول بالا ہے

کریں کیا۔ گر نہ ابنائے زماں ہوں بدگماں تجھ سے
کہ دردِ دل کی کیفیت سمجھنے سے اُن کی بالا ہے

نمونہ کوئی ہمدردی کا دیکھا تھا نہ یاروں نے
ترے کاموں نے اُن کو اس لیے حیرت میں ڈالا ہے

کیا ہے کام جو تو نے۔ نہ ڈر انجام سے اُس کے
کہ نیکی کا نشاں قائم خدا خود رکھنے والا ہے

کیا گو تو نے سب کچھ۔ پر بہت کچھ ہے ابھی کرنا
ہے آخر قوم کی تعلیم یا موقعہ کا نوالہ ہے

جسے احباب اِک قصرِ رفیع الشان سمجھے ہیں
نہ ہو تو اُسکا پشتیبان تو اِک مکڑی کا جالا ہے

عزیزوں کو خداوہ نامبارک دن نہ دِکھلائے
کہ سایہ تیری ہمدردی کا اُن کے سر سے اُٹھ جائے

بندِ پنجم

ترے احسان رہ رہ کر سدا یاد آئیں گے اُن کو
کریں گے ذکر ہر مجلس میں۔ اور دُہرائیں گے اُنکو

تری کوشش پہ تیری زندگی میں جو کہ ہنستے ہیں
نتائج اس کے تیرے بعد خون رلوائیں گے اُن کو*
ترے کاموں کو خود رائی پہ جو محمول کرتے ہیں
دل اُن کے کوئی دن جاتا ہے خود جھٹلائیں گے اُنکو
اُنہوں نے خود غرض شکلیں کبھی دیکھی نہیں شاید
وہ جب آئینہ دیکھیں گے تو ہم دکھلائیں گے انکو
بہت مشکل ہے جانی سرد مہری قوم کے دل سے
مگر تیرے ہی دل کے داغ کچھ گرمائیں گے اُنکو
اگر ہیں بھی کہیں کچھ کچھ دبی چنگاریاں باقی
لگائیں گی وہ گھر میں آگ جب سُلگائیں گے اُنکو
بہت ہیں مدعی ہمدردیٔ اسلام کے۔ لیکن
ٹٹولیں گے اُنہیں جب یار خالی پائیں گے اُنکو
کبھی تسبیح کو اُنکی۔ ملی فرصت وظائف سے
تو تیری خدمتیں اسلام کی گنوائیں گے اُن کو
طلا گو قوم سے اب تک نہیں اچھا بھلا تجھ کو
نہیں امید پر تجھ سے کہ ہو اس کا گلا تجھ کو

* تری رسوائیوں کو منسوب کرتے ہیں غلط ان سے
زمانے کے ہوا خواہ جو تیری باتوں سے پائیں گے ان کو

بند ششم

جنہوں نے قوم کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا ہے
اُنہوں نے پھل سدا محنت کا کم دنیا میں پایا ہے

یہ تیری خوش نصیبی تھی کہ ثمرہ تیری کوشش کا
خدا نے زندگانی میں تری - تجھ کو دکھایا ہے
بہت جھکڑ چلے اور آئیں اکثر آندھیاں - لیکن
رہا گلزار ہو کر باغ جو تو نے لگایا ہے
دیا ہے ساتھ بھی تیرا - ہزاروں نے دل و جاں سے
اگر دو چار نے کچھ کر کے - تیرا دل دکھایا ہے
اِدھر پورب سے پچھم تک - اُدھر اُتر سے دکھن تک
مددگار اپنا - جس گوشہ میں ڈھونڈا تو نے - پایا ہے
اودھ سے سندھ تک - کشمیر سے راس کماری تک
دلوں میں تو نے سکہ شہر شہر اپنا بٹھایا ہے
دکن میں تیرے یاور رہے - وہ آیہ ہیں ترے ساتھی
ترا امداح ملکوں میں ہر اک اپنا پرایا ہے
خصوصاً وہ مبارک ملک - جس نے ہند میں اول
رکاب اسلام کی تھامی - اور اس پر سر جھکایا ہے
خدا کی برکتیں پنجاب اور پنجاب والوں پر
جنہوں نے ہر سفر میں تجھ کو آنکھوں پر بٹھایا ہے
جنہوں نے قوم کا ہمدرد دل سے تجھ کو مانا ہے
تری نصرت میں اخلاص مسلمانی دکھایا ہے

نہ ہو افسردہ دل اور قوم پر فیض اپنا رکھ جاری
کہ اِک ہمت سے تیری بندھ رہی ہیں ہمتیں ساری

بندِ ہفتم

ہوئے ہیں سرد دل یارونکے - تو ڈھارس بندھاتا رہ
اُمیدیں اُنکی استقلال سے اپنے بڑھاتا رہ
ہوا پروا ہو یا پچھوا - نہ کر تو اس کی کچھ پروا
لگایا ہے چمن جو تو نے - پَود اُس میں لگاتا رہ
امیدیں ہیں بہت وابستہ - تیری زندگانی سے
دعائیں قوم کی لے لے کے عمر اپنی بڑھاتا رہ
ابھی سیراب کم ہیں - اور بہت ہیں تشنہ لب باقی
سبیل آخر لگائی ہے - تو پیاسوں کو پلاتا رہ
نہیں تعلیم بے علموں کی کم اَحیاءِ مَوتیٰ سے
جہاں تک تجھ میں دم باقی ہے مُردونکو جلاتا رہ
زبانیں تو نے گر اپنے پہ کھلوائی ہیں حق کہہ کر
تو خاموشی سے اپنی - نکتہ چینوں کو تھکاتا رہ
فرو ہوتی نہیں آتش سے - جب آتش بھڑکتی ہے
ہر اک شعلہ کو آبِ بُرد باری سے بجھاتا رہ
کیا ہے زندہ قوموں کو سدا قومونکے کُشتوں نے
مہم گر فتح کرنی ہے تو چوٹیں دل پہ کھاتا رہ
شدائد میں تحمل خاص میراث انبیاء کی ہے
جو تو آلِ محمدؐ ہے تو سب صدمے اُٹھاتا رہ

کوئی دن اور اس دار المحن میں رنج سہنا ہے
پھر اس کے بعد تجھ کو زندۂ جاوید رہنا ہے

بند ہشتم

عزیزو! حق کی رحمت ہے یہ پیر ناتواں ہم ہیں
پھر ایسا پیر ہے ہم ہیں۔ نہ کوئی نوجواں ہم ہیں
ہزاروں ہم میں ہوں گے بیچلر اور ماسٹر پیدا
مگر اے قوم! پھر یہ صورتیں پیدا کہاں ہم میں
ہمہ ہم میں قوم کا ہمدرد۔ یہ قدرت خدا کی ہے
نہیں رشتہ کوئی مدت سے باقی درمیاں ہم میں
ہمارے تفرقوں نے کر دیے تحلیل سب اجزا
نہ پاؤ گے کہیں ترکیب قومی کا نشاں ہم میں
ابھی اُٹھ کر فلاح قوم پر کوئی کمر باندھے
ہزاروں اس سے ہو جائیں گے پیدا بدگماں ہم میں
ابھی سُن لیں کسی قومی جماعت میں شکر رنجی
ہزاروں ہوں گے یہ بدفال سن کر شادماں ہم میں
بن آئے قوم کی خدمت تو کیونکر ہم سے بن آئے
نہ دور اندیشیاں ہم میں۔ نہ خیر اندیشیاں ہم میں
اگر بوجھ اِس پہیلی کی نہ سیّد ہم کو بتلاتا
تو اسلامی اخوت تھی فقط اک چیستاں ہم میں

نہ کی سیدؔ کے سلفوں کی گر تا ئید یاروں نے
تو پھر ہرگز سنبھلنے کی نہیں تاب و تواں ہم میں
بہت مشکل سے ہاتھ آیا ہے منزل کا نشاں یارو
پہنچنے دو سلامت تا بمنزل کارواں یارو

بندِ نہم

رہو جیسے رہے ہو قوم کے غمخوار و یار اب تک
کرو دھندلا نہ اس رستے کو جو ہے بے غبار اب تک
جماعت کو تمہاری دیکھتے ہیں لوگ حیرت سے
تمہارے دم سے ہے کچھ قوم کا باقی وقار اب تک
تمہاری کوشش اور ہمت کا چرچا ہے زمانہ میں
تمہاری خدمتوں کی قوم ہے منت گذار اب تک
جو کام انجام کرنا ہے تو سیدؔ کے رہو حامی
کہ قومی کامیابی کا اُسی پر ہے مدار اب تک
ورنہ دوستو اس لو کہ ہے آپس کی آن بن کا
وہی انجام - جو ہوتا رہا ہے آشکار اب تک
پڑے ہیں جابجا بکھرے ہوئے اطرافِ عالم میں
کھنڈر لاکھوں ہمارے تفرقوں کی یادگار اب تک
ہزاروں باغ ویراں ہو گئے آپس کے جھگڑوں میں
پلٹ کر پھر نہیں آئی جہاں فصلِ بہار اب تک

سفینے غرق لاکھوں کر دیے بادِ مخالف نے
زمانہ کو نہیں معلوم خود جن کا شمار اب تک
نہ سمجھو یہ کہ فارغ ہو گئے ہم خاک میں مل کر
ہماری گھات میں ہے انقلابِ روزگار اب تک
نظر آتا نہیں یہاں حملۂ دوراں سے بچنے کو
سوا اک درسگاہِ قوم کے کوئی حصار اب تک

کرو پورا حصارِ قوم کو سر جوڑ کر یارو
ہٹا دو حملۂ دوراں کو سب جی توڑ کر یارو

بند دہم

یہ دارالعلم سدِّ راہِ آسیبِ زماں ہوگا
اسی دارالشفا میں بختِ پیر اپنا جواں ہوگا
نہیں صورت ابھرنے کی ہماری کوئی پستی سے
اگر ہوگا۔ اسی گھر سے بلند اپنا نشاں ہوگا
کمی نے کر دیا ہے علم کی۔ ہم کو سبک سب سے
اسی پاسنگ سے ہوگا تو یہ پلّہ گراں ہوگا
یہ بیت العلم روز افزوں ترقی کا ہے سرچشمہ
اسی چشمہ سے دیکھو گے کہ اک دریا رواں ہوگا
یقیں ہے ٹہنیاں پھیلیں گی طوبیٰ سے سوا اسکی
ہمارے واسطے دنیا میں یہ باغِ جناں ہوگا

علم
علم

اگر اس آگئی آب و ہوا اس کھیت کی ہم کو
تو جو اُٹھے گا پودا اِس زمیں سے آسماں ہوگا
اگر اسلام میں باقی ہے خصلت حق شناسی کی
تو ایک اک نونہال اس باغ کا خود باغباں ہوگا
جو حق نے عالمِ اسباب دنیا کو بنایا ہے
تو جو نکلے گا یہاں سے کامیاب و کامراں ہوگا
بہت مدت سے ہے قحط الرجال اے قوم اُمت میں
اِسی کھیتی سے اُس میں جنسِ مردم کا سماں ہوگا
بِنا اسلام کی۔ کہتے ہیں یہ تعلیم ڈھادے گی
نہ ڈھینے دیگا حق۔اسلام پر گر مہرباں ہوگا
کسوٹی ہے یہ دارالعلم۔ اِسلامی اخوت کی
ہم اُس سے بدگماں ہوں گے جو اس سے بدگماں ہوگا
کبھی یہاں آکے کچھ دیکھا بھی ہے اے نکتہ چیں یارو
بُرا کہنا گھروں میں بیٹھ کر اچھا نہیں یارو

بند یازدہم

اگر رکھتے ہیں دل پہلو میں۔ آکر یہ چمن دیکھیں
یہ باغِ قوم کا فصلِ خزاں میں بانکپن دیکھیں
وطن کو جو سمجھتے ہیں کہ ہے ترجیح غربت پر
وہ آکر شامِ غربت۔ بہتر از صبح وطن دیکھیں

ہوئے ہیں جمع یہاں جو نہال - اطراف سے آکر
بہم سب کو شریکِ شادی و رنج و محن دیکھیں
محبت انہیں جب دیکھیں تو سمجھیں بھائی ماں جائے
وطن پوچھیں تو ہندو سندھ و پنجاب و دکن دیکھیں
اگر غیبت میں پوچھیں ایک کا حال ایک سے آکر
تو ہر طفل و جواں میں حفظِ غیب و حُسنِ ظن دیکھیں
تکلف سے بری ایک اک کو دیکھیں دور بناوٹ سے
سخن میں راستی دیکھیں بیاں میں سادہ پن دیکھیں
تواضع منمونکی دیکھیں - اور غیرت عزیبوں کی
ادب بچوں کا دیکھیں - نوجوانوں کا چلن دیکھیں
تامل رائے میں دیکھیں تو دیکھیں کام میں پھرتی
لڑائی فیلڈ میں دیکھیں - کلب میں یونین دیکھیں
اطاعت سلطنت کی - احترام اہلِ حکومت کا
وفاداری کی گردن میں بندھی سب کے رسن دیکھیں
نہ بُو انہیں غلامی کی - نہ بیباکی کی خُو اُن میں
ادب اور معتدل آزادگی اُن کا چلن دیکھیں
زباں سے قیصرِ ہندوستاں کا نام لے کوئی
تو اک دریا محبت کا دلوں میں موجزن دیکھیں
سلف پر فخر دیکھیں - اور تاسف اپنی حالت پر
لگن اسلام کی - اور قوم کی دل میں چبھن دیکھیں
نمازوں کی تقید دیکھیں - اور روزوں کی پابندی

اجازت نیک کرداری کی اور ہر کام کی بندی

بند دوازدہم

کلب میں آ کے گر احباب ۔ رنگِ انجمن دیکھیں
تو زیبِ کرسی صدر اک مجسم یونین دیکھیں
نہ دیکھی ہوں جنھوں نے شفقت و طاعت کی تصویریں
وہ بک اور اُسکے شاگردوں کو باہم ہم سخن دیکھیں
تاسف کرتے ہیں جو ہند کی نا اتفاقی پر
کلب میں ہندیوں کے آئیں وہ اور یونین دیکھیں
اگر باور نہ ہو اخلاص سُنّی اور شیعی کا
بہم شیر و شکر یہاں چار یار و پنجتن دیکھیں
نہ دیکھا ہو جنھوں نے پیار ہندو اور مسلماں میں
وہ آ کر مسلم اور ہندو کو یکجان و دو تن دیکھیں
مسیحی پوششیں دیکھیں مسلمانوں کے بچوں کی
مسیحی کو مسلمانی قبا زیبِ بدن دیکھیں
مجسم دیکھنی ہو شکلِ مہرِ مادری جن کو
وہ بچوں سے سلوکِ آرنلڈ و ماریسن دیکھیں
اگر ہو دیکھنی تقریر میں تصویر معنی کی
تو والس کا بوقتِ درس اندازِ سخن دیکھیں
اگر اسکول میں چاہیں کہ دیکھیں ہرسٹ کو آ کر

فرائض ہیں تمام اوقات اُس کے مرہون دیکھیں
دمِ تدریس دیکھیں چکر ورانی کو اگر یہ سوں
نہ پیشانی پہ بل دیکھیں۔ نہ ابرو ہیں شکن دیکھیں
ادب اور مشرقی تاریخ کا ہو دیکھنا مخزن
تو شبلی سا وحیدِ عصر و یکتائے زمن دیکھیں
اگر تو جعفر طوسی کو زندہ دیکھنا چاہیں
تو عباس ابنِ جعفر سا محیطِ علم و فن دیکھیں
سخن کوتاہ۔ دارالعلم پر ہوں قوم کے نازاں
جو آکر اس کا ایک اک دُرِ مکنوں من وعن دیکھیں
پھر اُن کے بعد دیکھیں گر مربّی اپنے بچوں کا
تو اک۔ بچوں سے بڑھ کر زندہ دل۔ پیر کہن دیکھیں
خوشی میں رنج میں۔ صحت میں۔ بیماری میں دکھ سکھ میں
اُسے جب آکے دیکھیں قوم کی دُھن میں مگن دیکھیں
رہیں چپ کس طرح ہم باغباں کی مدح و تحسیں سے
جب ایسا حیرت افزا آنکھ سے اپنی چمن دیکھیں
نہ سمجھیں یہ کہ ہے اُس کو ہماری مدح کی پروا
اگر سیّد کا استحقاق اہلِ انجمن دیکھیں
محبِّ قوم سنتا ہے در و دیوار سے تحسین
جنہیں یا در نہ آئے وہ محبِّ قوم بن دیکھیں
ادا سیّد کا حق تو ہم سے ہو سکتا ہے کیا حالی
مگر ہاں ہم کو اپنا فرض کرنا تھا ادا حالی

قوم کا متوسّط طبقہ

مرتبہ سنہ ۱۸۹۱ء

اس نظم میں متوسط درجہ کے لوگوں کی حالت کو فقرا اور اغنیا دونوں کی حالت سے بہتر بتایا گیا ہے۔ متوسطین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنی ذاتی کوشش اور سلف بلپ سے دولت۔ عزت۔ نیکنامی یا علم وفضل میں اپنی پہلی حالت سے ترقی کرکے اپنے ہمسروں میں امتیاز حاصل کیا ہو۔ ادنیٰ درجہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی پست حالت سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے یا چاہتے ہیں مگر نہیں بڑھ سکتے۔ اعلیٰ درجے سے وہ لوگ مراد ہیں جو دولت وعزت کے لحاظ سے ایک ممتاز حالت میں پیدا ہوئے مگر اس حالت سے ترقی کرنیکی ضرورت نہیں سمجھتے اور نیز اس حالت پر قائم رہنے کی فکر اور اس سے تنزل کرنیکا کچھ انسداد نہیں کرتے

حالی

بندِ اوّل

شکر اس نعمت کا یارب! کر سکے کیونکر زباں؟
تونے رکھا ہم کو یہاں فقر وغنا کے درمیاں
جب ہوئے بھوکے تو بخشی تونے نان ونانخورش
پر نہ اتنی۔ معدہ واحشا پہ جو گذرے گراں
جب ہوئے پیاسے تو بخشا آبِ شیریں اور خنک
پر نہ ایسا۔ ہو صراحی جس کی یاروں سے نہاں

ڈھانکنا چاہا بدن جب۔ تو دیا تو نے لباس
پر نہ ایسا۔ جس کو حسرت سے تکیں خُرد و کلاں
کھانے پینے کو کیئے برتن ہمیں تو نے عطا
پر نہ ایسے۔ ٹوٹنے سے جن کے ہو خوفِ زیاں
سونے اور آرام کرنے کو دیا بستر ہمیں
پر نہ ایسا۔ جس سے اُٹھنا ہو طبیعت پر گراں
رہنے سہنے کو دیے گھر تو نے ہم کو ہر جگہ
پر نہ ایسے۔ ہو تعلق جن سے مثلِ جسم و جاں
آنے جانے کو دیے دو پاؤں یہاں تو نے ہمیں
جن سے ڈر ہے بھاگنے کا اور نہ گرنے کا گماں
راہ اور بے راہ یکساں جن کو ہنگامِ خرام
کوہ سدِّ راہ جن کا اور نہ خندق اور کُواں
کی سواری بھی عطا اکثر۔ جو پیش آیا سفر
پر نہ ایسی۔ تختِ فرعونی کا ہو جس پر گماں
سیم و زر وقتِ ضرورت ہم کو تو دیتا رہا
پر نہ اتنا۔ ہو نگہبانی ہی جس کی بیمِ جاں
آبرو تو نے ہمیں دنیا میں دی اور امتیاز
پر نہ ایسی۔ جس سے ہوں محسود ابنائے زماں
نعمتیں اکثر ہمیں بعد از مشقت تو نے دیں
تاکہ تیری نعمتوں کی قدر ہو ہم پہ عیاں
راحتیں اکثر میسّر آئیں تکلیفوں کے بعد

تاکہ کھو بیٹھیں نہ ہم اُن راحتوں کو رائگاں
وقت پر کرتا رہا بارانِ رحمت سے نہال
قحط اور طوفاں دونوں سے بچایا بال بال

بندِ دوم

الحذر اُس فقر و ناداری سے سَو بار الحذر!
لومڑی جاتے ہیں بَن۔ جس کی بدولت شیرِ نر
چاپلوسی جا کے کرتے ہیں سفیہوں کی فقیہ
ناکسوں کے نازِ بیجا سہتے ہیں اہلِ ہنر
وزن میں علم و فضیلت جن کے ہے ہم سنگِ کوہ
وہ سبک تر دانۂ خردل سے آتے ہیں نظر
فقر و حاجت میں نہ ہو انساں کو جب صبر و شکیب
پھر نہیں کوئی بُرائی فقر و حاجت سے بتر
بھیک منگوائے۔ جُوا کھلوائے یہ چوری کرائے
پت گنوائے۔ آبرو کھوئے۔ پھرائے دربدر
ہو سکے محتاج سے طاعت نہ یاد۔ اللہ کی
رہ سکے محتاج جورو کی نہ بچوں کی خبر
گر زباں آلودہ اُس کی شکوۂ تقدیر سے
اور کبھی بوچھاڑ اُس کی آسمانِ پیر پر
گر بخیلوں کی مذمّت پر کبھی آجائے وہ

ہو نہ شب وشتم سے سیری اُسے دو دو پہر
اُگلے زہر اتنا کہ ہو جائے مذاقِ بزم تلخ
کھول دے غیبت کا دفتر اہلِ دولت کی اگر
گہ وبائے عام کی مانگے دعا اللہ سے
تاکہ دولتمند بھی کچھ دن رہیں آسیمہ گر
اور کبھی چاہے کہ ہو دنیا میں کوئی انقلاب
تاکہ ہو جائیں بلند اور پست سب زیر وزبر
بے حلاوت اُس کی دُنیا اور نُند بذب اُسکا دیں
خوفناک اُس کا ارادہ ۔ نیئت اُس کی پُر خطر
رات اُس کی حسرت آگیں اور دن اندوہگیں
شام اُس کی پُر نحوست اور شوم اُس کی سحر
گو کہ بدتر فقر سے یارب نہ تھی کوئی بلا
تھا ۔ مگر ثروت میں اُس سے بھی زیادہ شور وشر
فقر سے تو نے بچایا ۔ یہ بھی کم نعمت نہیں
پر نہ دی ثروت ۔ سوا اس کے شکر کی طاقت نہیں

بند سوم

نشۂ دولت سے تھا پھر ہوش میں آنا محال
اِس مئے مرد آزما کی تھی بہت مشکل سنبھال
نفسِ اَمّارہ اور اُس پہ چھیڑ مال و جاہ کی

ڈھیر ہے بارود کا۔ دیجیے تپنگا جیسں ڈال
بادِ صرصر آگ کو اس طرح بھڑکاتی نہیں
جس طرح جذباتِ نفسانی کو بھڑکاتا ہے مال
ہضم کرنا اور بچانا مال و دولت کا ہے بس
نفسِ انساں میں اگر بالفرض ہے کوئی کمال
ورنہ مال و جاہ و مکنت کا جہاں آیا قدم
اور ہوئے سلب آدمی سے آدمیت کے خصال
عقل ٹھیراتی ہے جو افعال انساں پر حرام
کر دیے اُس کے لیے سب مال و دولت نے حلال
فقر میں تھا نفسِ دوں واماندہ جس پرواز سے
آکے ثروت نے دیے پر واسطے اُس کے نکال
خواہشیں یوں نفس میں اب دمبدم بڑھنے لگیں
مغز میں جس طرح دیوانہ کے گوناگوں خیال
آپ کو گننے لگا بالاتر از ابنائے جنس
چیونٹوں میں ایک نے گویا نکالے پر و بال
مُسرف بے زر ہو جیسے قرضخواہوں میں گھرا
خواہشوں میں اس طرح جکڑا ہوا ہے بال بال
جھک پڑی طبع دنی گر بخل و خسّت کی طرف
ہو گئی فرزند و زن پر زندگی اُس کی وبال
اور اگر بھوت اُس کے سر پر چڑھ گیا اسراف کا
پھر نہیں گنجینۂ قارون کچھ آگے اُس کے مال

آگیا غالب طبیعت پر گر استسقائے حرص
ہے سمندر سے بھی اُس کی پیاس کا بجھنا محال
باڑ پر تلوار کی چلنا نہیں شاق اِس قدر
جس قدر ثروت میں ہے دشوار پاسِ اعتدال
گلشن دولت کے ہوں انگور میٹھے بھی اگر
دیکھ اے روباہ نفسِ دوں حذر اِنسے حذر

بندِ چہارم

ہے عجب دنیا میں نعمت درمیانی زندگی
فقر کی ذلت سے اور ثروت کے فتنہ سے بری
چین ہے دنیا میں گر کچھ تو اسی حالت میں ہے
یہ جو ہے برزخ میانِ نکبت و دستِ تہی
فقر و ثروت فی المثل ہوں دوزخ اور جنت اگر
مانگتے ہیں ہم حذر دوزخ سے اور جنت سے بھی
دخل شیطاں کا ہو جسمیں ایسی جنت کو سلام
منزلِ اعراف سو بار ایسی جنت سے بھلی
اِس کٹھن منزل میں ہے بنیا بھی ایک بے خطر
ہیں اِدھر کھڈ اور چڑھائی ہے اُدھر البرز کی
رکھتے ہیں فقر و غنا میں جو کہ حالت بین بین
ہیں حسد اور کبر کے امراضِ مہلک سے بری

اپنے سے اعلیٰ کی حالت پر اگر آتا ہے رشک
دیکھ کر ادنیٰ کو کر لیتے ہیں اپنی دل دہی
سن کے ہو جاتے ہیں بیدستے وہ بڑوں کا فخر و ناز
مل کے چھوٹوں سے بہک جاتا ہے گر غنا کبھی
لذتِ فقر و غنا دونوں سے ہیں وہ آشنا
اغنیا میں ہیں فقیر اور ہیں فقیروں میں غنی
جو گذرتی ہے گدا پر۔ اُس سے ہیں وہ باخبر
کیونکہ حالت گاہ گاہ ان پر بھی گذرتی ہے یہی
امتحاں دولت کے بھی ہیں کچھ نہ کچھ جھیلے ہوئے
کیونکہ ہے ہر گھونٹ میں اس مے کی بدمستی وہی
اس لیے جب دیکھتے ہیں عسرتِ ابنائے جنس
جوشِ ہمدردی سے بیکل اُنکا ہو جاتا ہے جی
اور نہیں کرتے زبانِ طعن بیدردی سے وا
جبکہ سنتے ہیں کسی منعم کی ازخود رفتگی
مست کی بے اختیاری۔ تشنگی مخمور کی
واردات ایک ایک کی ہے سربسر اُن پر کھلی
جنت اور دوزخ ہے سب اعرافیوں پر جلوہ گر
گندم اور زقوم دونوں اُن کے ہیں پیشِ نظر

بند پنجم

دل توانا اور قوی بازوؤں کی ہمت اُن سے ہے

منتظم ہر قوم و ملت کی جماعت اِن سے ہے
مشکلیں اکثر انہیں سے قوم کی ہوتی ہیں حل
بھائیوں کے بازوؤں میں زور و طاقت انسے ہے
ہے انھیں کے دم سے۔ جو ہے گرمیٔ ہنگامہ آج
ساری قومی مجلسوں کی زیب و زینت اِنسے ہے
ہے جہاں دولت۔ یہی ہیں نظمِ دولت کے کفیل
ملک کی دولت میں ہے جو خیر و برکت۔ اِن سے ہے
ہاتھ میں ان کے ہیں۔ جتنے عقل و دانش کے ہیں کام
عقل و دانش میں ہے جن ملکوں کی شہرت۔ اِنسے ہے
ہیں گداؤں کے وسیلے اور شاہوں کے مشیر
شاہ ہوں یا ہوں گدا۔ دونوں کو قوت اِن سے ہے
آدمیت سیکھتے ہیں ان سے سب چھوٹے بڑے
نوعِ انساں میں بقائے آدمیت اِن سے ہے
یہ نہ ہوں تو علم کی پوچھے نہ کوئی بات یہاں
رونقِ بازارِ جنسِ علم و حکمت اِن سے ہے
پاؤ گے انمیں طبیب۔ انمیں ادیب۔ انمیں خطیب
ہے اگر انساں کو حیواں پر فضیلت۔ اِن سے ہے
پاؤ گے انمیں ہندس۔ پاؤ گے اِن میں حکیم
آدمی مصداقِ رحمانی خلافت اِن سے ہے
کرتے ہیں اخلاقِ ادنیٰ اور اعلیٰ ان سے اخذ
آدمی سب ہیں۔ مگر انساں عبارت اِن سے ہے

ان میں قوموں کے ہیں مصلح - انہیں ملکوں کے وکیل
آبرو قوموں کی اور ملکوں کی عزت ان سے ہے
پھونکتے ہیں روح قومیت یہی افراد میں
ہے جہاں قوموں میں یکرنگی و وحدت انہیں سے ہے
دم سے ہے وابستہ ان کے قوم کا سارا نظام
یہ اگر بگڑے تو سمجھو قوم کا بگڑا قوام

بند ششم

گر نہ ہو ہر حال میں ان کی مصالح پر نظر
ہیں مفاسد گرد و پیش ان کے فراہم سر بسر
کھیلتی ہے جس طرح بتیس دانتوں میں زباں
ہے انہیں بھی شر سے یہاں بچ بچ کے رہنا عمر بھر
گھاٹیاں فقر و غنا کی ان کے ہیں دونوں طرف
اور رستہ بیچ میں ہے بال سے باریک تر
ایک جانب پستی فطرت ہے اور دوں ہمتی
ایک جانب مستی و غفلت ہے اور کبر و بطر
جھک پڑے گر اس طرف تو صفت کھو بیٹھے انہیں
وہ جو اڑنے کے لیے حق نے دیے تھے بال و پر
ڈھل گئے گر اس طرف تو اس بلا میں پھنس گئے
جس میں پھنس جاتی ہے مکھی شہد میٹھا جان کر

برکتیں اللہ کی اُس قوم پر جس قوم میں
رہ سپر یہ طبقۂ والا ہو سیدھی راہ پر
ہیں معطل اغنیاء اور بے نوا کوتاہ دست
سب کی پڑتی ہے اُنہیں کے دست و بازو پر نظر
جو قوی اُن کو ملے ہیں کام میں لائیں اُنہیں
تاکہ زندوں کی طرح ہو زندگی اُن کی بسر
فرض ہیں جو اُن کے ذمہ خالق اور مخلوق کے
اُن میں سرگرداں رہیں دیوانہ وار آٹھوں پہر
قوم ہو گر ناتواں۔ تو تقویت بخشیں اُسے
کیونکہ اُس کے ضعف سے ہے اُنکی قوت کو ضرر
گو نجات انساں کو مکروہاتِ دنیا سے نہیں
جن سے بچنا گوشت سے ناخن چھٹانا ہے۔ مگر
کام دنیا میں سنوارے ہیں جنہوں نے قوم کے
تھے نکموں سے وہ مکروہات میں آلودہ تر
سارے جھگڑے تھے بائیں ہاتھ سے دنیا کے کام
اور دائیں سے مہمیں قوم کی کرتے تھے سر

جس طرح اِس انجمن کے رُکن آئے ہیں تمام
قوم کی خاطر ہزاروں چھوڑ کر دنیا کے کام

بند ہفتم

[illegible] اُس جس کی وہ بنا مستحکم ہیں

جس سے جان آتی ہے مردوں میں وہ طاقت ہے یہی
اتفاق قوم ہے اقبال و دولت کی دلیل
رائی کو کرتی ہے جو پربت ۔ وہ قوت ہے یہی
مال و دولت نامبارک ہے ۔ نہ ہو گر اتفاق
قوم جس دولت کی بھوکی ہے وہ دولت ہے یہی
یہاں دکھیں ایک اک ہے شہر اور ملک کا قائم مقام
دانہ کو کرتی ہے جو خرمن وہ برکت ہے یہی
رائیگاں جائیگا یاروں کا نہ یہ رنج سفر
راحتیں جس کی طفیلی ہیں وہ زحمت ہے یہی
فرد فرد آتے ہیں جو ۔ جاتے ہیں یہاں سے مجتمع
ملتے ہیں جسکی بدولت دل ۔ وہ ملت ہے یہی
تم ہمارے کام آؤ ۔ ہم تمھارے کام آئیں
جس سے کل چلتی ہے دنیا کی وہ حرکت ہے یہی
قوم کی خدمت میں ہے مضمر ربوبیت کی شان
جو کہ پہنچواتی ہے خادم کو ۔ وہ خدمت ہے یہی
قوم کی ذلت کو سمجھیں ذلت اپنی سب عزیز
ملک میں عزت سے اپنے [illegible] کی عزت ہے یہی
یہاں جو رہتا ہے نقش اس انجمن کا یادگار
جو کبھی برہم نہیں ہوتی وہ صحبت ہے یہی
کر رہا ہے قوم کے سر کل [illegible]
جز سے افزوں ہے [illegible] وہ جمعیت ہے یہی

اتفاقاً گر کبھی ہو جائے یہ ہنگامہ سرد
ڈر نہیں اس کا کہ خود قانونِ قدرت ہے یہی
ہے کبھی افراطِ باراں اور کبھی ہے قحطِ آب
طینتِ عالم میں خاصیت ودیعت ہے یہی
کال ہے گر اس برس۔ تو ہے سماں اگلے برس
جو خبر دیتا ہے کثرت کی۔ وہ قلت ہے یہی
دیگ تو پکتے ہی ہیں پکے گی دھیمی آنچ میں
کچھ اُبال آیا تو ہے اسمیں غنیمت ہے یہی
انجمن ہے قوم کی ہنگامۂ شادی نہیں
ایک دن کا کام کچھ روما کی آبادی نہیں

دہلی کا جلسۂ کانفرنس

مرتبہ ۱۸۹۲ء

یہ ترکیب بند محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتویں اجلاس میں بمقام دہلی پڑھا گیا تھا

بند اوّل

۱۰

یہ خاک - آج جس پر ہیں جمع اہل آرا
یہاں ہو چکے کرشمے کیا کیا ہیں آشکارا
اس باغ میں بہاریں جو جو گذر چکی ہیں
آنکھوں کے روبرو ہے گویا سماں وہ سارا
کل جشن فتح تھا یہاں - ہے آج جشن شادی
ہردم عروج پر ہے اسلام کا ستارا
بلبن کے آج یہاں خاقاں ہیں اور سلاطیں
اصطخر ہے کہ دلّی - بلبن ہے یا کہ دارا
فیروز شہ کی ہے کل ٹھٹے سے آمد آمد
دولھا بنا ہوا ہے تزئین سے شہر سارا
تغلق کا آج لشکر تیمور کے مقابل
بہر مدافعت ہے میدان میں صف آرا
مغلوں کے اُڑ رہے ہیں کل جشن فتح و نصرت
تیمور سے زمانہ ہے برسر مدارا

آتا ہے آج بابر لودی پہ فتح پاکر
ہیں شوقِ شہ نو میں پیر و جواں خود آرا
کل شوریوں میں ہر سو بجتے ہیں شادیانے
مغلوں کا آرہا ہے گردش میں کچھ ستارا
ہے جشنِ فتح پھر آج چغتائیوں میں برپا
اقبال نے ہے گویا مغلوں سے قول ہارا
جس دھوم سے ہے گھر گھر جشنِ جلوسِ اکبر
ہے گرد اس کے آگے جشنِ قباد و دارا
شاہِ جہاں خوشی سے پھولا نہیں سماتا
تعمیر ہو چکے ہیں شہر و فصیل و بارہ (قلعہ)
تیاری اس خوشی میں جشنِ عظیم کی ہے
گویا کہ ہے جہاں میں جشنِ سدہ[۱] دوبارا
اطرافِ ہند سے ہیں اعیانِ ملک آئے
پاکر حضورِ شہ سے سب جشن کا اشارا
ارکانِ سلطنت ہیں سب پائے تخت حاضر
بالائے تختِ طاؤس ہے شاہ جلوہ آرا

وہ جشن کرنے والے گو خاک میں نہاں ہیں
پر جشن ان کے اب تک سب زیبِ داستاں ہیں

[۱] سدہ آگ کو کہتے ہیں جشنِ سدہ وہ جشن ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے اول جمشید نے پتھروں سے آگ نکلنے کی خوشی میں بڑی دھوم سے ایران میں کیا تھا ۱۲ حالی ۱

بندِ دوم

اے خاکِ پاکِ دہلی! اے تخت گاہِ شاہاں
پیشِ نظر ہیں تیرے سب اگلے ساز و ساماں
ہنگامے اس زمیں پر لاکھوں ہیں گرم ہر سو
پر کوئی جشنِ قومی آتا نہیں نظر یہاں
تقریب جشن جس میں ہو کچھ نہ جز اخوت
ملکوں سے جمع آکر جس میں ہوئے ہوں اخواں
پائیں و صدر کا ہو جس میں نہ کچھ تفاوت
خرد و بزرگ کی ہو جس میں نشست یکساں
جن کو نہ ہو بلاوا حاکم کا۔ اور نہ قدغن
لایا ہو کھینچ کر دل اُن کو۔ نہ حکم سلطاں
خادم ہوں جس قدر واں۔ مخدوم قوم کے ہوں
مخدوم جتنے ہوں واں۔ سب قوم پر ہوں قرباں
خاطر کسی سے چاہے کوئی نہ واں تواضع
ہوں خود ہی میزباں وہ اور خود ہی ہوں وہ مہماں
ٹھہرائیں جس کو چاہیں وہ آپ میرِ مجلس
چاہیں جنھیں بنائیں وہ آپ میرِ ساماں
آئے ہوں اس غرض سے سب ملکے تاکہ سوچیں
دنیا میں کس طرح ہوں سرسبز پھر مسلماں

ہندوستاں میں کیونکر باقی رہے نشانی
اُس قوم کی۔ کہ تھا کل جن کے وہ زیر فرماں
نہیں تو کیونکہ اُنکیں ذلت سے وہ گھرانے
اُمرا نے تھا باندھا جنکے بڑوں سے پیماں
اُن مدرسوں کا کیونکر جاری رہے افاضہ
جن کے سبب سے زندہ نام حدیث و قرآں
جو مسجدیں ہیں بہر ذکر خدائے واحد
محفوظ حادثوں سے کیونکر ہوں اُنکے ارکاں
جو کچھ ہے بھائیوں کی تقدیریں۔ وہ سر پہ
اپنی طرف سے لیکن ہے سعی فرض انساں
اے شہ نشینِ اسلام! اے معدنِ سلاطیں
اے پائے تختِ سادات! اے دار ملک مغلاں

توجشن گاہِ شاہاں ہر عہد میں رہا ہے
ایسا بھی جشن کوئی تجھ میں کبھی ہوا ہے

بند سوم

شاہوں کے جشن تھے وہ۔ یہ جشن قوم کا ہے
شوکت میں وہ بڑے تھے عظمت میں یہ بڑا ہے
دولت کے تھے وہ جلسے ملت کا ہے یہ انقشہ
کاغذ کی تھیں وہ ناویں۔ بیڑا یہ نوح کا ہے

بے روح تھے وہ قالب ۔ ہے اسمیں روحِ خویشی
موجِ سراب تھے وہ ۔ یہ چشمۂ بقا ہے
سے ملے نہ وہ بچھڑتے ۔ روح اُن میں گر یہ ہوتی
رہتا ہے آندھیوں میں روشن ۔ یہ وہ دیا ہے
وہ دن گئے کہ نازاں تھی قوم سلطنت پر
اب قوم کو خدا کا یا اپنا آسرا ہے
بس سلطنت یہی ہے مل بیٹھنا ہمارا
یہ چھت نہ سمجھو سر پر ۔ یہ سایۂ ہما ہے
"گم گشتہ بخت" جس کو پھرتے ہیں ڈھونڈتے ہم
لگتا ہے کچھ تو اس کا لگتا یہیں پتا ہے
وہ مشکلیں کریں گے اب حل ہمیں تمہیں کچھ
جن مشکلوں کا ہم کو اور تم کو سامنا ہے
ہم میں اگر مخالف کچھ ہوں اس انجمن کے
معذور ہیں وہ ۔ اُن سے شکوہ نہ کچھ گلا ہے
فوجِ ملک کو اکثر ۔ سمجھا ہے فوجِ دشمن
حملہ ملک پہ اپنی ۔ اپنوں نے خود کیا ہے
نادم ہوئے ہیں لیکن ۔ روشن ہوا ہے جب دن
انساں سے یہ ہمیشہ ۔ ہوتی رہی خطا ہے
قدر ایسی مجلسوں کی مدت میں ہو گی ہم کو
اب تک ضرورتوں نے مضطر نہیں کیا ہے
ہوتی ہے قدر ان کی ۔ بنتی ہے جان پر جب

لاتے ہیں تب یہ نادیں جب بیڑا ڈوبتا ہے
گو سب جہاز والے خطرے سے بے خبر ہیں
پر رنگ ناخدا کا کچھ فق سا ہو رہا ہے
آفاتِ بحر سے ہیں ناواقف آشنا سب
ہنستے ہیں ناخدا پر روتا ہے ناخدا جب

بندِ چہارم

گلشن میں فصلِ گل کے سب مٹ چکے نشاں ہیں
پر چین سے عنادل گلشن میں نغمہ خواں ہیں
طاؤس و کبک خوش خوش گلشن میں ہیں خراماں
اور بیٹھے ہاتھ ملتے گلچین و باغباں ہیں
غفلت کی چھا رہی ہے کچھ قوم پر گھٹا سی*
اتراتے ہیں سلف پر اور آپ ناخلف ہیں
رستہ کدھر ہے اُن کا اور جا رہے کہاں ہیں
فضل و کمال اُن کے کچھ تم میں ہوں تو جانیں
گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں
کھیتوں کو دے لو پانی۔ اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو! اٹھتی جوانیاں ہیں
تم سے کھلے تو تھامو عزت کو قوم کی کچھ
اپنے تو قافلے سب پا در رکاب یہاں ہیں

* بے فکر و بے خبر ابھی بوڑھے ہیں یا جواں ہیں

اِک خضرِ رہ نے رستہ سیدھا بتا دیا ہے
رستے پہ دیکھیں چلتے اب کتنے کارواں ہیں
خدمت میں اُن کی حالیؔ کہتا ہے یہ ادب سے
اِس وقت رونق افزا یہاں جتنے مہرباں ہیں
دنیا میں گر ہے رہنا تو آپ کو سنبھالو
ورنہ بگڑنے کے یہاں آثار سب عیاں ہیں
عرصہ ہوا کہ ہم کو آنکھیں دکھا رہے ہیں
قدرت کے قاعدے جو دنیا پہ حکمراں ہیں
جو اپنے ضعف کا کچھ کرتیں نہیں تدارک
قومیں وہ چند روزہ دنیا میں میہماں ہیں
گھڑیال اور مگر مچھ ہیں اُن کو نگلے جاتے
دریا میں مچھلیاں جو کمزور و ناتواں ہیں
سنبھلو! وگرنہ رہنا یہاں اس طرح پڑیگا
بھیل اور گونڈ جیسے گمنام و بے نشاں ہیں

یہ غفلتیں مبادا اب روزِ بد دکھائیں
ڈھونڈے سے کچھ نشاں ہیں ڈر ہے کہ مٹ نہ جائیں

شکریہ والیٔ رام پور

مولانا نے یہ نظم آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے چودھویں اجلاس منعقدہ دسمبر ۱۹۰۰ء کے لیے جو رام پور میں ہوا تھا۔ تیار کرنی شروع کی تھی مگر بوجوہات عین وقت تک مکمل نہ ہو سکی اور اسی ناتمام حالت میں جلسہ میں پڑھی گئی (اسماعیل)

بندِ اوّل

صاحبو! سمجھو نہ اِس جلسہ کو ہرگز سرسری
ہیں مُرادیں اور اُمیدیں کوٹ کوٹ اِسمیں بھری
اب تک اِس جھاڑو کی سینکوں کا کوئی بندھن نہ تھا
جہل سے لڑنے کو تھی اک فوج - لیکن بے سری
اہلِ مُلک وجاہ - جو ہیں قوم کی اُمیدگاہ
سب نظر آتے تھے ہمدردی کی تہمت سے بری
دُور ہی دُور ابرِ دریا دل برستا تھا سدا
قوم کی کھیتی نظر آتی نہ تھی ہوتی ہری
سر میں کچھ سودا تھا جن کے قوم کی تعلیم کا
تھیں فقط دینے کو اُنکے پاس اسپیچیں نِری
گو فصاحت اور بلاغت اُن کی تھی ضرب المثل
گو کہ اسپیچیں تھیں اُن کی سربسر جادو بھری

سننے والوں پر مگر چلتا نہ تھا اُن کا فسوں
کوئی کافر جانتا تھا اُن کو۔ کوئی نیچری
قوم کی تعلیم کا عقدہ تھا لاینحل ہوا
پیش جاتی تھی نہ کچھ تدبیر کی کاریگری
جان و دل "ہز ہائنس حامد علی خاں" پر نثار
جو ہوا ہے اِک متاعِ حُسنِ محر کا مشتری
آج سے وہ سب مسلمانوں کے سر کا تاج ہے
دے رہی ہے یہ شہادت قوم کی مجلس بھری
جان لی ہے قوم کی اُس نے اگر درماندگی
مان لی ہے قوم نے بھی دل سے اُسکی سروری
پہلے سر جھکتے تھے در پر اُس کے اب دل جھک گئے
شہریاری ہے وہی۔ جس میں ہو شانِ دلبری
ایسے کچھ خوش نظر آتے ہیں آج افرادِ قوم
پا گئی گویا سلیمانؑ کی انہیں انگشتری
آج کا جلسہ ہے حق میں قوم کے اِک فالِ نیک
موجزن جیسی دل میں دیکھو۔ ہے امیدِ بہتری
اتفاق اور ایسے پیش آجائیں گر دو چار اب
قوم کی تعلیم کا ہوتا ہے بیڑا پار اب

بند دوم

لی ہے کروٹ ایک مدت سے زمانہ نے بدل

راس تھا اگلوں کو جو موسم۔ گیا کب کا نکل
جو تمدن کی عمارت۔ تھے گئے اسلاف چھوڑ
آگیا اُس کی بنیادوں میں سر تا سر خلل
کام کے ہیں اب نہ دنیا میں ہنر اُنکے نہ فن
اور بیکار آمد زمانہ میں ہے کس اُنکا نہ بل
ہیں نئی رسمیں۔ نئے آئیں۔ نئی ہے چال ڈھال
اور نئے علم و ہنر کا ہے جدھر دیکھو عمل
ہے نئی گویا زمیں۔ ہے آسماں گویا نیا
کینچلی گویا کہ لی ہے زال دنیا نے بدل
بڑھ رہے ہیں۔ جو ہوا کا رُخ ہیں یہاں پہچانتے
مل رہے ہیں اپنی دوراندیشیوں کے اُنکو پھل
مٹ رہے ہیں۔ جو ہیں اپنی آن پر مچلے ہوئے
آج گذری خیریت سے۔ تو نہیں خیر اُن کی کل
ساتھ اُنہیں دینا پڑیگا یہاں زمانہ کا ضرور
ورنہ رہنا ہوگا دنیا میں بحالِ مبتذل
زندگی ہے قوم کی اب منحصر تعلیم پر
ورنہ سُن لو! قوم کی نزدیک آپہنچی اجل
سلطنت ہو یا ریاست۔ قوم ہو یا خاندان
جو نہیں تعلیم پر مائل۔ وہ سب جائیں سنبھل
جس کو کہتے ہیں زمانہ۔ ہے وہ شانِ کبریا
اُس کے وعدے ہیں اٹل۔ اُسکی وعیدیں ہیں اٹل

جو چلے مُنہ لگ کے دنیا میں چال اُسکے خلاف
رفتہ رفتہ اُس کی چالوں نے دیا اُن کو کچل
ہاتھ ملتی ہیں وہ قومیں اپنی نادانی پہ آج
ہاتھ سے جن کے گیا تعلیم کا پہلو نکل

جب یہ حالت ہے تو بتلاؤ کہ کیا کرنا ہے اب؟
ملک میں عزت سے جینا ہے کہ بس مرنا ہے اب؟

بندِ سوم

یاد ہے اے رام پور! اپنا تجھے عہدِ کہن
جبکہ تھا ایک اک جواں یہاں رشکِ گیو و تہمتن
خاک سے جا لونت اُگتے تھے تری اور سُورما
تیری یہ "بانسی" نہ تھی۔ گویا کہ تھا شیر وں کا بن
معرکوں سے اُن کے رنگیں ہیں ورق تاریخ کے
یاد ہے جن کو بھلا سکتا نہیں طولِ زمن
پر وہ اب دم خم رہا تجھ میں۔ نہ وہ کس بل رہا
کر دیے گردش نے دَوراں کے نقشے سارے ہرن
ملک سے رخصت ہوئے رن جنگ اور پیکار کے
لے لیا فتنوں سے ہجرت کا زمانہ نے چلن
شیر بکری آج کل پیتے ہیں پانی ایک گھاٹ
چین سے ہیں پاؤں سب پھیلا کے سوتے مرد و زن

عام ہے اِس عہدِ فرخ فال میں امن و اماں
شرق سے تا غرب اور اُتر سے لے کر تا دکن
پر دلیروں کے لیے میدان خالی ہیں بہت
گر سلف کا اُن کے دِل گُردوں میں کچھ باقی ہے گُن
اِک قوی دشمن کا ہے درپیش اُن کو سامنا
جس کی روندن میں ہزاروں ہو گئے ویراں چمن
روک دی دریا کی رَو - حملے سے جو اُس کے بچا
کر دیا پربت کو رائی - جس نے جیتا اُس سے رَن
نام ہے اُسکا "تعصب" اور "جہالت" ہے لقب
کج روی کا ہے وہ رہبر - راستی کا راہزن
یہ وہ دشمن ہے کہ غالب آ گیا جس قوم پر
ہو گئی وہ قوم آنکھوں دیکھتے زیر و زبر

بندِ چہارم

سہل مت سمجھو تعصب کو - بُری ہے یہ بلا
کر دیا ہے اِس نے قوموں اور گھرانوں کو فنا
حکم ہے اِس کا کہ فاقہ ہے تو فاقہ میں مرو
اور جو ذلت ہے تو ذلت پر رہو قانع سدا
حکم ہے اِس کا کہ کوئی قوم جس حالت میں ہے
بس وہی ہے اُس کی عزت اور شرف کی انتہا

باپ دادا جو گئے ہیں چھوڑ یہاں رسم و رواج
ناخلف ہے ایک بچ اُس سے اگر آگے بڑھا

آدمؑ و حوّا نے گر پتّوں سے ڈھانکا تھا بدن
نسل میں اُن کی وہی پوشش رہے جاری سدا

نوحؑ کی کشتی میں تختے تھے اگر اُن گھر لگے
ہوں جہاز اب بھی اُسی کینڈے کے بے چون وچرا

آدمی کا گھر ہو ایسا ہی پُرانی چال کا
لومڑی کا جیسے بھٹ ہے اور بیے کا گھونسلا

ایک کا نام آدمی ہو۔ ایک کا ہو جانور
آدمی اور جانور میں ہو نہ فرق اِسکے سوا

باپ دادا کے لیے بیٹھے ہو کیا رسم و رواج
وہ گئے اور دم کے ساتھ اُن کا دمامہ بھی گیا

دیکھو تم گرتے چلے جاتے ہو پستی کی طرف
آگے آتا ہے گڑھا۔ بعد اس کے ہے تحت الثریٰ

گر کرو زیر ایسے دشمن کو۔ تو ہے مردانگی
جو اُبھرنے کی نہیں دیتا تمہیں پروانگی

تحفۃ الاخوان

یہ مشہور اور بے نظیر نظم جس میں غیرت۔ ہمت اور جوش دلا کر قوم کو جہالت۔ پستی اور تنزل سے نکالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مولانا نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سولھویں جلسہ کے چھٹے اجلاس میں جو ۲ر جنوری ۱۹۰۳ء کو بصدارت نواب احمد سعید خاں صاحب منعقد ہوا تھا خود پڑھ کر سنائی تھی۔ وہ سماں کبھی کانفرنس کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا جب مولانا قوم کا مرثیہ پڑھنے کھڑے ہوئے۔ ابھی دو تین ہی شعر پڑھے تھے کہ ساری محفل مجلس عزا بن گئی۔ حاضرین کے اندرونی بخارات آنسو ہو کر بہہ نکلے اور اس نظم سے ہمدردی قومی کا جوش اس قدر اٹھا کہ جو کچھ جس شخص کے پاس تھا اس نے دے ڈالا اور ایک آن کی آن میں دو ہزار روپیہ چندہ بلا مانگے ہو گیا جو تمام کا تمام اس نظم کے آخر میں کالج کو دیا گیا۔ نظم کے ختم ہونے کے بعد مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا مسودہ نظم نیلام ہونا شروع ہوا جو دو سو ایک روپیہ پر چھٹا (اسماعیل)

بندِ اوّل

دوستو! انکار اگر تم کو بداہت کا نہیں
عالَمِ اسباب ہے دُنیا۔ اسے جانو یقیں
کاہ سے لے کوہ تک۔ ذرّہ سے لے تا آفتاب
سب کو ہے جکڑے ہوئے اسباب کی حبلُ المتیں

ایک مرتّب سلسلہ پاؤگے وہاں اسباب کا
دشت میں پتّا کھڑکتا تم اگر دیکھو کہیں
یوں خدا چاہے تو لے اسباب کی تاثیر چھین
لیکن اُس قیوّم بے ہمتا کی یہ عادت نہیں
بھاپ اُٹھے گی سمندر سے۔ تو اُمڈیگی گھٹا
آسماں برسے گا جب۔ اُگلے گی تب دولت زمیں
ہے یہ وہ قانونِ محکم۔ مالکِ مختار کا
جو کہ سطحِ خاک سے نافذ ہے تا چرخِ بریں
وہ یہی قانون ہے جس سے لگا لیتے ہیں کھوج
وقت سے پہلے ہر اک انجام کا انجام بیں
جان لیتے ہیں کہ آمد ہے خزاں کی باغمیں
ٹہنیوں سے خود بخود جب پتّیاں جھڑنے لگیں
دیکھ لیتے ہیں کہ جس گھر کی ہے پالی پر بنا
کوئی دن میں وہ رہے گا ہو کے پیوندِ زمیں
بسکہ ہے اُن کو قوانینِ الٰہی پر وثوق
اِس لیے رکھتے ہیں اپنی پیش گوئی پر یقیں

دیکھتے ہیں روشنی دن کی جب جاتی ہوئی
اُن کو آنکھوں سے نظر آتی ہے رات آتی ہوئی

بندِ دوم

جبکہ قانونِ الٰہی کا یہ ٹھیرا مقتضا

وہ رہے گا ہو کے - جو ہے مقتضا اسباب کا
دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس قوم کا ہونا ہے حال؟
شاہراہِ عام سے جس کی پگڈنڈی ہے جدا
ساری قومیں دے رہی ہیں وقت کا ساتھ آجکل
اور ان کی چیز ہے وہ - جو وقت کا ہے مقتضا
ہیں رواں تیراک سب دریا کی رَو کے ساتھ ساتھ
اور انہیں کد ہے کہ دیں دریا کی رَو اُلٹی بہا
اور - اپنے اپنے جوہر ہیں جہاں دکھلا رہے
یہ دکھاتے پھرتے ہیں جوہر سلف کے جا بجا
اور قومیں ہیں جہاں مالِ تجارت بیچتی
یہ وہاں گھر بار کے کرتے ہیں کوڑے برملا
جتنے اوروں میں ہیں کھاؤ - اُتنے ہی واں ہیں کماؤ
یہاں کماؤ ایک ہے - تو کھانے والا قافلا
اور مفلس ہوں - تو روزی کو پھریں کرتے تلاش
یہ جو مفلس ہوں - تو قسمت کا پھریں کرتے گلا
اور ہیں سب سود لینے میں - یہ دینے میں دلیر
اور ہیں سب لوٹنے پر - یہ لٹانے پر فدا
جب کوئی اوروں میں ہو جاتا ہے دولت سے نہال
اپنی نسلوں میں وہ جڑ دولت کی جاتا ہے جما
یہاں گیا بلّی کے بھاگوں ٹوٹ اگر چھینکا کہیں
پڑ گئی پشتوں تلک واں فاقہ مستی کی بنا

اور تنگی سے گذارا کرتے ہیں آج اِس لیئے
تاکہ غیروں کی نہ کل کرنی پڑے کچھ التجا
یہاں کسی کو مل گیا گر آج تر لقمہ۔ تو پھر
اُسکو کچھ پروا نہیں اسکی۔ کہ کل کھائیں گے کیا؟
زندگی جس قوم کی دنیا میں گذرے اس طرح
وہ رہے گی قوم دنیا میں بتا و کس طرح؟

بندِ سوم

نیند غفلت کی ہے سرتا پا مسلط قوم پر
سب کی آنکھیں ہیں کھلی۔ سوتے ہیں لیکن بیخبر
مصر کی ممیاں ہیں سب گویا۔ نہیں جنمیں حیات
گو کہ جیتے جاگتے آتے ہیں ظاہر میں نظر
خاندانوں کو رہا ہے میٹ۔ دَورِ روزگار
آج بگڑا یہ گھرانا۔ اور کل اُجڑا وہ گھر
پر۔ نگاہِ بد کی جو زد میں نہیں آئے ابھی
جانتے ہیں دَورِ گردوں کا نہیں ہم تک گذر
بھیڑیا نوبت بہ نوبت گو سفندوں کو شکار
کر رہا ہے۔ اور نہیں کچھ گوسفندوں کو خبر
ہم جو بنتے بھی ہیں تو اکثر بگڑنے کے لیے
گرتے ہیں بالشتوں۔ اچھلتے ہیں اگر بالشت بھر

قوم کو اپنے تنزل سے اُبھرنے کی اُمید
اہلِ علم و اہلِ دولت سے بہت کچھ بھی [illegible]
اہلِ دولت کا ہے اِس عالَم سے اک عالَم جدا
عالَمِ بالا سے بھی ہے جو کئی منزل اُدھر
جن دُعاؤں کی پہنچ ہے عالَمِ بالا تلک
اُن دعاؤں کا نہیں ڈیوڑھی تلک [illegible]
اب رہے عالِم۔ سو اتنا سوفتا اُن کو کہاں
دین کا پھر کون ہے ؟ دنیا میں وہ اُلجھیں اگر
کون جا کر چین میں پھر دین کی دعوت کرے
کون گمراہوں کی لے جاپان میں جا کر خبر
حُجّتِ حق کون لندن میں کرے جا کر تمام
کون برلن میں کرے تبلیغِ قرآن و خبر
کون ہے اُن کے سوا اسلام کے ذخروں کا [illegible]
بیٹھے آپس میں نہ ہونے دے کبھی [illegible]
اُن کی غفلت کا وہ عالَم، اُن کی [illegible]
ہے یہ بیڑا کیوں نہ پھر منجدھار میں [illegible]

ہیں یہی گر قوم کے ساتھ آج بے پروائیاں
تو یہ سن لو غافلو ! کل ہیں کھڑی رسوائیاں

بند چہارم

پڑ رہی ہے چار سُو دوڑ دھوپ کی یہاں [illegible]

نیند کے ماتو! نہیں اب وقتِ غفلت ۔ ہوشیار
ہو رہی ہے عرصۂ آفاق میں قوموں کی دوڑ
بڑھ رہے پیادوں سے پیادے ہیں سواروں سے سوار
تھوڑی تھوڑی غفلتوں پر ہر رہی ہیں بازیاں
چال چوکا ۔ اور ہوئی گردن پہ ہار آکر سوار
پولو اور گھڑ دوڑ کی سمجھو نہ ہار اس ہار کو
جو یہاں ہارا ۔ ہوئی ذلت گلے کا اُس کے ہار
قوم جو اس دوڑ میں ہاری ۔ اُسے سمجھو کہ وہ
ہو گئی زور آزمائی کا حریفوں کی شکار
سایہ میں برگد کے جیسے جل کے رہجاتی ہے گھاس
زورمندوں میں یونہیں ہوتی ہے مٹی اُس کی خوار
حق ہے غالب کا کہ کچلے اور دلے مغلوب کو
ہے یہی مغلوب ہونے کا مآل انجام کار
کرتے آئے ہیں سب اپنی اپنی باری میں یہی
اور یہی جاری رہے گا دور ۔ تا روزِ شمار
قوم کا درجہ سے گر جاتا ہے اپنے ۔ وہ گناہ
مرتکب جسکا نہیں بچتا سزا سے زینہار
یاد رکھو دوستو! سنت ہے یہ اللہ کی
جو نہ بدلی ہے ۔ نہ بدلے گی الیٰ یوم القرار
جو بڑھے گا ۔ حوصلہ اُس کا بڑھایا جائے گا
جو گرے گا اپنے درجہ سے ۔ گرایا جائے گا

بند پنجم

ایسے کچھ بیٹھے ہیں فارغ یارب کھولے کمر
جو مہم درپیش تھی - وہ کرچکے گویا کہ سر
قوم میں تعلیم پھیلانی تھی سو پھیلا چکے
ہوگیا وہ بیج جو بویا تھا - نخلِ باروَر
پر جو سچ پوچھو تو ہم اب تک اسی منزل میں ہیں
باندھ کر اُٹھے تھے جس منزل سے احرامِ سفر
روشنیٔ تعلیم کی کچھ کچھ جو یہاں پاتے ہو تم
سب یہ جگنو کے سے چمکارے ہیں اے اہلِ نظر
ہے جہالت کا اندھیرا ہم پہ جو چھایا ہوا
اِس اندھیرے ہی میں آتے ہیں یہ سب جلوے نظر
سارے ہوجاتے ہیں چمکارے انکی کافور یہ
اِس اندھیرے سے ذرا نکلو اُجالے میں اگر
ہم نے یہ مانا - کہ تھے ہم جو زمیں پکڑے ہوئے
اُس سے آگے کچھ قدم ہم نے بڑھایا ہے مگر
دیکھنا یہ ہے کہ اوروں سے ہے کیا نسبت ہمیں
اور بڑھتے ہیں گزوں - بڑھتے ہیں ہم گر انچ بھر
جبکہ ٹھیری ہم میں اور اوروں میں یہ نسبت - تو ہم
اُتنے ہی یہاں گھٹ رہے ہیں - بڑھ رہے ہیں جسقدر

پست ہے ہمسر سے جو اپنے۔ یہ سمجھا دو اُسے
خاک ہے وہ۔ گرکہ ہے پہنچا ہوا افلاک پر
اپنی پستی کے نشاں پاتے ہیں ہر منزل میں ہم
کیا تجارت۔ کیا صناعت۔ اور کیا علم و ہنر؟
کھل رہے ہیں جو کلوں کے کارخانے ملک میں
جن کے مالک ہیں وطن کے اہلِ ہمت سربسر
جو کہ ہیں ملکی ترقی کے لیے اِک فالِ نیک
جن میں اُمیدیں ہیں مثلِ روزِ روشن جلوہ گر
قوم کا حصہ نہ وہاں پاؤگے تم اس کے سوا
دن چھپے قلیوں کی اک فوج آئیگی تم کو نظر
کون سا پستی کا درجہ اب رہا ہے اِس کے بعد
یہ وہ پستی ہے کہ بس تحت الثریٰ ہے اِسکے بعد

بند ششم

ہم نے مانا ہے موافق جن سے دورِ ماہ و سال
بھاگواں ایسے بھی ہیں اس قوم میں۔ پر خال خال
چند جہاں میں بچ رہی تھیں جو کہ قوم نوح میں
ساتھ ملتیں ہیں ہے وہ ان بھاگوانوں کی مثال
اُن کی کیا عزت ہے یارو! قوم ہے جنکی ذلیل
اُن کو کیا راحت ہے جنکی قوم ہے خستہ حال

ہے وہ ایسا غول بن قلیوں کے جیسے ایک میٹ
ہے ہزاروں مفلسوں میں ایک اگر آسودہ حال
شال کے گدڑی سے ہے وہاں سو مرتبہ بدتر۔ جہاں
ہوں ہزاروں گدڑیاں۔ اور ایک کے کندھے پہ شال
یاد رکھو۔ ہے بہت دامن فراخ اسلام کا
دی ہے بنیاد اخوت اس نے کل امت میں ڈال
ہیں اسی امت میں جو ڈھوتے ہیں دن بھر ٹوکری
ہیں اسی امت میں جو ہیں دھونکتے دن رات کھال
ہیں انہیں میں جن کے سینے میں نہیں آیا سماں
جب سے آنکھ ان کی کھلی۔ دیکھا ہے گھر میں اپنے کال
ہیں انہیں میں جو کہ بہر نفقۂ فرزند و زن
سامنے ایک اک کے پھیلاتے ہیں دست سوال
ان عزیزوں کی اخوت سے جنہیں آتا ہو ننگ
نام لیں فہرست سے اسلام کی اپنا نکال
ورنہ ذلت سے نکالیں ان کو۔ اور یہ جان لیں
ان کی ذلت میں انہیں عزت سے رہنا ہے محال
گھر میں اپنے بیٹھ کر جو چاہے سو بن لے کوئی
غیر قوموں میں نہیں حاصل اسے جز انفعال
کہتے ہیں غیر اسکو ہم جنسوں میں اجلا دیکھ کر
"یہ وہی کوا ہے لیکن ہنس کی چلتا ہے چال"
وہ یہی خطرہ ہے جس کے ڈر سے جان اور مال سب

کر رہے ہیں اپنی اپنی قوم پر قربان سب

بندِ ہفتم

وہ گئے دن۔ جبکہ تھے مختارِ مطلق حکمراں
قسمتوں کی قبضۂ قدرت میں تھی اُنکے عناں
ہاتھ میں غسّال کے مردہ ہو بے بس جسطرح
تھے جہانبانوں کے ہاتھ میں یونہیں اہلِ جہاں
تھا رعیّت کا کوئی ہمدرد تو تھا بادشاہ
اور مصلح تھا کوئی اُس کا تو تھا خود حکمراں
تھی نہ اہلِ ملک کو قومی مقاصد سے غرض
تھا نہ قومیّت کا قوموں میں کہیں باقی نشاں
خواہشیں سب کی جدا۔ اغراض تھیں سب کی الگ
اپنے اپنے راگ تھے۔ اور اپنی اپنی ڈفلیاں
قوم اپنی حد سے آگے کوئی بڑھ سکتی نہ تھی
پیش قدمی سے رُکے کب کے کھڑے تھے کارواں
بند تھے ناکے ترقی کے۔ کہ آخر غیب سے
آیا اِک سیلاب آزادی کا ریلا ناگہاں
جس نے سب روکیں ہٹا کر کر دیا میدان صاف
غار یا ٹیلا رہا باقی نہ کوئی درمیاں
ایک قانونِ مسلّم کی اطاعت کے سوا

ہوگئے ہر قید سے آزاد سب خورد و کلاں
کر دیے انصاف نے ہموار سب پست و بلند
آ گئے سب ایک لیول پر۔ قوی اور ناتواں
اب نہ قوموں کی ترقی میں ہے کوئی سدِّ راہ
اور نہ قوموں کے مدارج میں تفاوت درمیاں
سلطنت نے سب کو دے رکھے ہیں حق ڈنڈی کے تول
وزن میں پلڑا نہیں کوئی سبک۔ کوئی گراں
جن کو دعویٰ ہے کہ ہم بیٹے بڑے باپوں کے ہیں
ان کو کرنے ہوں گے اب۔ جوہر لیاقت کے عیاں
ورنہ لینے ہوں گے واپس اپنے سب دعوے انہیں
اور بھلانی ہوگی سب دل سے بڑوں کی داستاں
وہ گئے دن۔ جبکہ کر دیتے تھے چھوٹوں کو بڑا
انقلاباتِ جہاں۔ یا اتفاقاتِ زماں
اب بڑائی کا ہے استحقاق پر سارا مدار
ہوگا جو "کرّار" ۔ اُسی کو رحمت ہوگا نشاں
قسمتوں کی آزمائش کا زمانہ ہوچکا
ہے بس اب یہاں ہمتوں اور غیرتوں کا امتحاں
ہے تمہاری۔ اب تمہارے ہاتھ موت اور زندگی
ہو تمہیں اپنے مسیحا۔ اور تمہیں ہو جانفشاں
یا کرو کوشش۔ کہ مردہ قوم میں پڑ جائے جان
اور دکھا دو خلق کو۔ اس راکھ سے اُٹھتا دھواں

یا - رہو دُنیا میں بھنگوں اور پِسّوؤں کیطرح
جن کا ہے دُنیا میں ہونا اور نہ ہونا ایکساں

قوم گنتی میں ہو گو مور و ملخ سے بھی سوا
مر گئے جب قوم کے دل - قوم میں پھر کیا رہا؟

فلسفۂ ترقی

یہ اعلیٰ درجہ کی فلسفیانہ نظم جسمیں ترقی کے اسباب اور تنزل کے بواعث پرکمال خوبی اور عمدگی کے ساتھ بحث کیگئی ہے۔ مولانا نے ۳۱ ر دسمبر ۱۹۰۳ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سترھویں اجلاس میں جو مسٹر جسٹس بدرالدین طیب جی کی زیرِ صدارت منعقد ہوا تھا بمقام بمبئی خود پڑھ کر سنائی تھی۔ جسکا بعد اس نظم کا حاضرینِ کانفرنس پر بہت اثر پڑا اور اہلِ بمبئی نے جس ذوق و شوق کیساتھ مولانا کو کانفرنس کی شرکت کے لیے دعوت دی تھی اُس کی پوری داد ملی (اسماعیل)

بندِ اوّل

اے عزیزو! تم بھی ہو آخر بنی نوعِ بشر
غل ہے کیا نوعِ بشر میں کچھ تمھیں بھی ہے خبر؟
کر رہا ہے خاک کا پُتلا وہ جوہر آشکار
ہو رہی ہے جس سے شانِ کبریائی جلوہ گر
رفتہ رفتہ یہ غبارِ ناتواں پہنچا ہے وہاں
طائرِ وہم و تصوّر کے جہاں جلتے ہیں پر
اُس نے اِن کمزور ہاتھوں سے مسخر کرلیا
ابر و برق و باد سے تا بحر و بر و دشت و در

حق نے آدم کو خلافت اپنی جو کی تھی عطا
دے رہے ہیں اُس خلافت پر گواہی بحر و بر
تھا ارسطو اور فلاطوں کو بہت کچھ جن پہ ناز
ہو گئے تقویم پارینہ وہ سب علم و ہنر
کل کی تحقیقات نظروں سے اُتر جاتی ہے آج
بڑھ رہا ہے دمبدم یوں آجکل علم بشر
قوّتِ ایجاد نے اب یہاں تلک پکڑا ہے زور
شام کی ایجاد ہو جاتی ہے باسی تا سحر
ساز و ساماں جو نہ تھے کل بادشاہوں کو نصیب
کوڑیوں کے مول بکتے پھرتے ہیں وہ دربدر
کہتے ہیں مغرب سے جب ہوگا برآمد آفتاب
عرصۂ آفاق میں ہوگی قیامت جلوہ گر
دوستو! شاید وہ نازک وقت آپہنچا قریب
آرہی ہے روشنی مغرب سے اِک اُٹھتی نظر
رَو ترقی کی چلی آتی ہے موجیں مارتی
اگلے وقتوں کے نشاں کرتی ہوئی زیر و زبر
دستکاری کو مٹاتی صنعتوں کو روندتی
علم و حکمت کی پرانی بستیاں کرتی کھنڈر

ہوشیاروں کو کرشمے اپنے دکھلاتی ہوئی
غافلوں کو موت کا پیغام پہنچاتی ہوئی

بند دوم

ہند میں بھی یارو! آ پہنچا ہے اس رُت کا قدم
جو ہیں ناقابل۔ اب اُنکا کھلنے والا ہے بھرم
ہے ترقی۔ پر تنزل بھی ہے اس کے ساتھ ساتھ
یہ کسی کے حق میں امرت ہے۔ کسی کے حق میں سم
پست کو بالا یہ کر دیتی ہے اور بالا کو پست
کر دیا زیر و زبر اس نے۔ جہاں رکھا قدم
گل کھلایا اس نے جو اقصائے مشرق میں ابھی
اس کے لکھتے وقت ہاتھوں میں لرزتے ہیں قلم
چین۔ جو وسعت میں کم اک برِ اعظم سے نہ تھا
اک جزیرہ کی لپٹ نے کر دیا اسکو بھسم
دیکھنا پیچھے نہ ہم چشموں سے رہجانا کہیں
حق میں ہمسایہ کے ہمسایہ کا بڑھنا ہے ستم
جانتے ہو اے عزیزو! ہے تنزل چیز کیا؟
"اُس پہ کر لینا قناعت۔ مل گیا جو بیش و کم"
گو کہ ہے افراد کے حق میں یہ خصلت کیمیا
حق میں لیکن قوم کے یارو یہی خصلت ہے سم
تن پہ تھا فاروقِ اعظم کے پھٹا کرتا۔ مگر
قوم کی خاطر بھری نیت نہ لے کر ملک جم

جیتے ہیں وہ دنیا میں کیڑے مکوڑوں کی طرح
جن کو بڑھنے کی تمنا اور نہ کچھ گھٹنے کا غم
جس طرح موری کا کیڑا خوش ہے اپنے حال میں
گذرے جو حالت اُسی میں بس مگن رہتے ہیں ہم
پر زمانہ کہہ رہا ہے یہ ۔ بہ آوازِ بلند
یا قدم آگے بڑھاؤ ۔ ورنہ لو راہِ عدم
بے ترقی ملک میں جینا ہے دشوار آج کل
وحشیوں کی موت ہے شائستہ قوموں کا عمل

بند سوم

ہو نہ ہمدردی کا عنصر قوم میں یارو جہاں
وہاں ترقی کے لیے سب کوششیں ہیں رائگاں
راس بیڑے کو ترقی کے نہیں کوئی ہوا
جوشِ ہمدردی سے ہوتا ہے جہاز اُسکا رواں
قوم تھی یوناں کی دنیا میں ایک محدود قوم
ہوگئی حبِ وطن سے فخرِ اقوامِ جہاں
ایک کو کچھ ایک کی پروا نہ ہو جب قوم میں
ہے حماقت ۔ قوم کی کثرت پہ ہونا شادماں
قوم کس گنتی میں ہے وہ ۔ دانے ہوں جیسکے ملے
گو کہ وہ کثرت سے اپنی گھیرلے سارا جہاں

ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہوں جنکے دل وہ قوم کیا؟
ہے وہ اک مقتل۔ لہو روتا ہے جس پر آسماں
یاد رکھو! پڑگئی جس ملک یا ملت میں پھوٹ
ہیں وہ اس جہاں سرا میں کوئی دن کے میہماں
غزنوی۔غوری۔مغل۔ سادات۔لودی اور غلام
رہ گئے نوبت بہ نوبت ہند پر جو حکمراں
دن بُرے جب آئے اور باہم لگے سر پھوڑنے
صفحۂ ہستی سے اُن کا مٹ گیا نام ونشاں
دین[1] کہتے ہیں جسے۔ وہ خیرخواہی کا ہے نام
ہے مسلمانو! یہ ارشادِ رسول انس وجاں
ہیں نمازیں اور روزے اور حج بیکار سب
سوزِ اُمت کی نہ چنگاری ہو گر دل میں نہاں
جس کا تم بھرتے ہو کلمہ جس پہ پڑھتے ہو درود
نام پر جس کے عزیزو! تم فدا کرتے ہو جاں
جیتے جی اُمت کی لَو۔ دل کو رہی اُسکے لگی
وقتِ آخر اُمت اُمت اُس کے تھا وردِ زباں
بھائی بھائی ہو گئے ہو دین کی برکت سے تم
ہے غضب گر بھائیوں پر ہوں نہ بھائی مہرباں
کھول[2] کر دیکھو کتاب اللہ کی۔ کہتی ہے کیا؟
"کلمہ پڑھ لینے سے کچھ حاصل نہیں بے امتحاں"

دین کا دعویٰ اور اُمت کی خبر لیتے نہیں

[1] آنحضرت صلعم کی حدیث ہے کہ الدین النصیحۃ ۱۲

[2] ارشاد خداوندی ہے احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لا یفتنون ۱۲

چاہتے ہو تم سند - اور امتحاں دیتے نہیں

بند چہارم

اُن سے کہدو - ہے مسلمانی کا جن کو ادّعا
قوم کی خدمت میں ہے پوشیدہ بھید اسلام کا
وہ یہی خدمت یہی منصب ہے جس کے واسطے
آئے ہیں دنیا میں سب نوبت بہ نوبت انبیاء
قوم کی خدمت میں کردیں اپنی جب عمریں تمام
تب فرائض سے نبوّت کے ہوئے عہدہ برآ
وہ رسولِ ہاشمیؐ وہ رحمت اللعالمینؐ
پیروی کا جس کی دم بھرتے ہو تم صبح و مسا
جانتے ہو۔ قوم سے تھا اپنی کیا اُس کا سلوک؟
اُس طرف سے تھی جفا۔ اور اِس طرف سے تھی دُعا
کونسی تکلیف تھی جو قوم نے اُس کو نہ دی
پر کبھی چاہا نہ اُس نے - قوم کا اپنی بُرا
جب اُحد میں ہو گیا دندانِ پاک اُسکا شہید
قوم کے حق میں نہ نکلا منہ سے کچھ اس کے سوا
"کر ہدایت[1] قوم کو یا رب! کہ ہیں معذور یہ"
"اِن کی عقلوں پر ہے پردہ جہل و غفلت کا پڑا"

[1] آنحضرت صلعم کے الفاظ یہ تھے اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۱۲

قوم کے حملے رہے جبتک کہ اُس کی ذات پر
خندہ پیشانی سے سب اُن کے سہے جور و جفا
پر لگی جب قوم سب مل کر مٹانے نامِ حق
اور خدا کا پوجنا بندوں کو مشکل ہو گیا
غیرتِ حق نے نہ دی پھر مہلتِ صبر و شکیب
دین کی آخر حمایت پر کھڑا ہونا پڑا
لشکرِ حق سے مگر جب ہو گئی مغلوب قوم
پھر وہی شفقت۔ وہی رحمت۔ وہی احسان تھا
تھی یہی وہ قوم جس کے حق میں فرماتے تھے آپؐ
"ہے عرب کی دوستی جز دین اور ایمان کا"[۵۱]
تھی یہی وہ قوم۔ تھا جس کے لیے ارشاد یہ
"قوم کا خادم ہے آقا سب کا بے چون و چرا"[۵۲]
سب کے خادم رہے اور دوست جب تک اہلِ دیں
دین اور دنیا میں بول اسلام کا بالا رہا
پر دیے۔ خود غرضیوں نے جبکہ دل ایک ایک کے پھاڑ
حکم جو مالک کا تھا بندوں کو وہ پورا ہوا
حکم تھا اُس کا کہ جھگڑوں سے رہو تم برکنار
ورنہ کھو بیٹھو گے سب اپنا وقار اور اعتبار

[۵۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حُبُّ الْعَرَبِ مِنَ الْاِیْمَانِ ۱۲
[۵۲] فرمانِ نبوی ہے کہ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ ۱۲

بندِ پنجم

سچ کسی دانا نے تھا قوم سے اپنی کہا
"جو کہ حامی قوم کے ہیں اُنکا حامی ہے خدا"
دیکھ لو! ممتاز دنیا میں وہی قومیں ہیں آج
قوم پر قرباں ہے جنکا ہر اک چھوٹا بڑا
یہاں تلک پھیلا ہے اب قوموں میں قومیت کا درد
اپنے ایک اک فرد پر قوموں کی جانیں ہیں فدا
ملک سارا چھین کر بھی اُن کو چین آتا نہیں
اپنے اِک مقتول کا جب مانگتے ہیں خوں بہا
اختلاف دین و مذہب۔ گھُل رہا تھا جسمیں زہر
جس نے ملکوں میں دیے تھے خون کے دریا بہا
دمبدم وہ اختلاف اب بن رہا ہے اتفاق
زہر میں ہونے کو ہے پیدا اثر تریاق کا
کر رہا ہے جوشِ ہمدردی کی صورتمیں ظہور
وہ تعصب جس نے باپوں سے کیے بیٹے جُدا
دیتے ہیں وہ۔ اپنے ذاتی فائدوں پر خاک ڈال
اپنے جب نقصان میں ہو قوم کا اُن کی بھلا
وہ ہملٹن کی جوانمردی سنی ہوگی۔ کہ جب
ہوگئی فرخ سیر کو ہاتھ سے اُس کے شفا

قوم پر قرباں کر دیں اپنی اُمیدیں تمام
آپ کچھ لینا نہ چاہا اپنی خدمت کا صِلا

ہے اُسی حُبِّ وطن کا اُس کے یہ سارا ظہور
ہند پر ہے آج جو "برطانیہ" فرمانروا

ایک ماماں جس کو دس ملتے ہیں ہفتہ میں شلنگ
جس کے کنبے کا سب اِس تنخواہ پر ہے آسرا

جا کے دے آئی ہے خوش خوش ایک ہفتہ کی طلب
قوم کی خاطر کہیں سُنتی ہے جب چندہ کھلا

ہے غرض چندہ کی کیا؟ اِس سے نہیں کچھ اُسکو کام
قوم کا نام آیا اور قابو سے دِل باہر ہوا

حق کو ہوتا ہے جنہیں دنیا میں کرنا سربلند
خصلتیں یہ برگزیدہ اُن کو ہوتی ہیں عطا

اُن کے مفلس قوم کیخاطر وہ کر جاتے ہیں کام
پست قوموں میں نہیں کر سکتے جو کام اغنیا

ہے انہیں ہمدردیوں کا اُنکی یہ ثمرہ کہ آج
اِس کرہ کے گرد ہیں وہ چھائی ہوئی مثلِ ہوا

لوہا مقناطیس کی جانب ہے کھچتا جس طرح
اُس طرف کھنچتی چلی جاتی ہے دُنیا اس طرح

بندِ ششم

ہے یہ قوموں کی ترقی اور تنزل سے عیاں

خود تنزل میں ہے سرچشمہ ترقی کا نہاں
ایک کا ہے جو تنزل۔ دوسرے کا ہے عروج
اِس کا بکتا ہے مکاں۔ تب اُسکی چلتی ہے دوکاں
کوئی یہاں بنتا نہیں۔ جبتک نہ بگڑے دوسرا
گھانس کھد جاتی ہے جب۔ پڑتی ہے تب کھیتی میں جاں
ہوتے ہوتے خشک۔ جب دریا میں خاک اُڑنے لگی
تب ہوئے نہروں سے جنگل غیرتِ باغِ جناں
چہچہے مرغِ چمن کو تب ہوئے جا کر نصیب
کر چکا کیڑے مکوڑے جب ہزاروں نوشِ جاں
جان لو۔ قسمت کسی کی جاگنے والی ہے اب
جب سنو یارو! بگڑتا کوئی گھر یا خانداں
آسماں سے بن کے خوان آتا نہیں اقبال کا
ہے وہی اک چیز۔ کل مہماں یہاں تھی۔ آج وہاں
میزباں کی دیکھتی ہے آنکھ جب بدلی ہوئی
وہاں سے اٹھ کر دوسرا جا ڈھونڈتی ہے میزباں
جانے والا ہے مقرر اُن کا گھر۔ غیروں کے پاس
جو کمر باندھے ہوئے بیٹھے ہیں گھر کھونے پہ یہاں
قصر و ایواں ہوں مبارک تم کو اے محنت کشو
عیش کے بندے بہت ہونیکو ہیں بے خانماں
یاد رکھو! ہوں گے اب حقدار۔ اُن کے جانشیں
ہاتھ سے حق کھو دیے اپنے جنہوں نے رائگاں

ہوں گے مزدور اور کمیرے اُن کے اب قائم مقام
پھرتے ہیں بیکار جن کے کودک و پیر و جواں
اے مسلمانو! فلک کی گردشوں سے غافلو!
تم کو رخصت ہے۔ لٹاؤ وقت و دولت رائگاں
دیکھو جب غیروں کو تم بڑھتا۔ کرو اپنے پہ ناز
ہیں تمہارے عیش و غفلت کی یہ سب فیاضیاں
مت کرو شکوہ مشیت کا۔ خدا ظالم نہیں
بلکہ ظالم ہیں تمہاری اپنی بد اعمالیاں
ہے یہ قانونِ الٰہی جو کبھی ٹلتا نہیں
گو جگہ سے اپنی ٹل جائیں زمین و آسماں
چھٹتی جائیں گی وہ قومیں جو بگڑتی جائیں گی
ٹہنیاں جو سوکھتی جائیں گی جھڑتی جائیں گی

مسٹر آرنلڈ
کی
روانگیٔ ولایت

یہ ترکیب بند ۲۵ر فروری ۱۹۰۴ء کو مسٹر آرنلڈ پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈھ کی رخصت کے وقت جبکہ وہ ہندوستان سے قطع تعلق کرکے مع اہل وعیال انگلستان جانے والے تھے علی گڈھ میں بمقام اسٹریچی ہال خود مولانا نے پڑھا تھا (اسمٰعیل)
→ (Strachy Hall)

بندِ اوّل

دوست ۔ اور پھر دوست بھی سچا ۔ عجب نعمت ہے یہاں
ہو نہیں سکتا بدل اک دوست کا سارا جہاں
دوست کو دنیا میں سمجھو اِک درختِ باردار
پھول جسکے خوشنما ۔ اور پھل غذائے جسم وجاں
جس کے شاخ وبرگ گوناگوں فوائد سے بھرے
جس کا سایہ راہرو کے حق میں اک دارالاماں
دوست کے ملنے میں ہے جو لطف ۔ ظاہر ہے ۔ مگر
ہے بچھڑنے میں بھی اُس کے ۔ اِک عجب لذت نہاں
ہجر میں جیتے ہیں اُس کے وصل کی اُمید پر
اِس لیے مہجور بھی رہتے ہیں اُس کے شادماں

آنکھ سے اوجھل نہیں ہوتا کبھی اُسکا خیال
دوستوں کے سامنے ہے وہ۔ رہے جا کر جہاں
اُس کی رخصت سے قلق ہوتا ہے گو دل کو۔ مگر
یاد رہتا ہے سدا۔ وہ وقتِ رخصت کا سماں
چُپ کھڑا ہے کوئی۔ ہے بڑھکر گلے ملتا کوئی
ایک کا اُمڈا ہے دل۔ ہر ایک کے آنسو رواں
ہے یہ گو غم کا سماں۔ لیکن مبارک ہے وہ غم
جس سے ظاہر ہوں محبت اور صداقت کے نشاں
جسم سے انساں کے۔ ہو جان رخصت جس طرح
ل کے پردیسی چلے پردیسیوں سے اسطرح

بند دوم

آج ہم اُس دوست سے افسوس۔ ہوتے ہیں جدا
دوستی پر جس کی ہم کو۔ فخر کرنا ہے بجا
قوم کا ایک اینگلوسکسن۔ پہ دل سے خیر خواہ
ہند کی ایک خستہ۔ درماندہ۔ شکستہ قوم کا
دین کا پکا مسیحی۔ پر مسلمانوں کا دوست
جس نے ہم کو وہ زمانہ یاد پھر دلوا دیا
جبکہ ہم کو دی گئی تھی یہ خبر قرآن میں
"پاؤ گے عیسائیوں کو دوست تم سب سے سوا"

مودۃ للذین امنوا الذین قالوا انا نصرٰی [المائدہ ۵/۸۲]
ذٰلک بان منہم قسیسین ورہبانا وانہم لا یستکبرون

دین جس کا غیر اور بیگانہ جس کی نسل و قوم
گھر سمندر پار جس کا ۔ اور زباں ناآشنا
خیر خواہی میں ہماری اُس نے سب ایکبارگی
تفرقے یہ عارضی دل سے دیے اپنے مٹا
جس قدر یہاں پیش آئیں ہم کو قومی مشکلات
حاضر و غائب ہمارا اُن میں ساتھ اُس نے دیا
کر دکھایا اُس نے وہ ۔ جو حکم تھا انجیل میں
" تم پرائوں کا بھی اپنوں کی طرح چاہو بھلا "
ہے جدائی شاق اُس کی ۔ پر نہیں جب اختیار
ہے وہی مرضی ہماری جو کہ ہے اُس کی رضا
ٹھان لی ہے اُس نے گو ہم سے جدائی کی ۔ مگر
ہم تو جب جانیں ۔ ہمارے دل سے ہو جائے جدا

قصہ کوتاہ ہم سے اب چھٹتا ہے پیارا آرنل
فخر سے ہم جس کو کہتے تھے " ہمارا آرنل "

بند سوم

کہتے ہیں دوری میں ہو جاتی ہے اکثر یاد کم
پر کریں گے اُس کو دوری میں زیادہ یاد ہم
ہند میں رہتی تھی اکثر اُس کے ملنے کی اُمید
اس لیے اُس کی جدائی کا بٹا رہتا تھا غم

پر نظا ہر ہے اب اُس کی یاد ہی اُس کا بدل
اس لیے یہ پھانس اب کھٹکا کریگی دمبدم
ایسے غمخواروں کو کوئی کسطرح دل سے بھلائے
آکے جو پردیس میں کھاتے ہیں بیگانوں کا غم
زندگی ہے جب تلک باقی۔ نہ بھولیں گے کبھی
آرنل کے۔ مارسن کے۔ بک کے احسانات ہم
مرحلے دشوار جو یہاں ہم کو پیش آتے رہے
وہ رہے ہمدم ہمارے ہر جگہ اور ہمقدم
جن جوانمردوں کے یہ برتاؤ ہوں غیروں کے ساتھ
کیوں نہ ہو قوم اُن کی عالم کی نظر میں محترم
ہندیوں سے یہ ہیں گر اخلاق انگلش قوم کے
تو یہ سمجھو بک گئے ہاتھ اُنکے ہندی بے درم
جس عَلَم کی ہے دلوں میں خلق کے بوڑی گڑی
تا قیامت سرنگوں وہ ہو نہیں سکتا عَلَم
ہے محبت ہی کہ وحشی جس سے ہو جاتے ہیں رام
جس کے آگے گردنیں ٹیڑھوں کی ہو جاتی ہیں خم
جو ہے ناسوروں کو بھر دیتا وہ مرہم ہے یہی
جس سے جن تسخیر ہوتے تھے وہ خاتم ہے یہی

بند چہارم

ہے محبت کی کہانی میں بھی کیا دل بستگی

ختم پھر ہوتی نہیں یہ داستاں جب چھڑ گئی
آرنلڈ کی مہر و الفت کے بیاں نے یکقلم
یاد سے عظمت بھلا دی اُس کے علم و فضل کی
ذکر اُس کا ہو نہ جس میں علم کا اُس کے بیاں
حدِ ناقص ہے نہ قیدِ فصل ہو جسمیں لگی
علم میں جو اس کا درجہ ہے وہ ہو کیونکر بیاں
منہ ہے چھوٹا فی المثل اور بات ہے یارو بڑی
کارنامہ اُس کا ہے جو "دعوتِ اسلام" پر
اُس کے علم و فضل پر بُرہانِ کافی ہے یہی
مشرق و مغرب میں صدیوں تک رہیگی یادگار
اُس نے جو تاریخ پر ڈالی ہے آکر روشنی
دعوتِ اسلام پر مدت سے تھا چھایا ہوا
اِک اندھیرا جسمیں تھی ظلمت پہ ظلمت پڑ رہی
ہو رہے تھے سب مسیحی بدگماں اسلام سے
جبر پر سمجھے ہوئے تھے جو بنا اسلام کی
دونوں فرقوں کے دلوں میں تھا بڑھا یہاں تک غبار
ہو گئی تھی بیچ میں دیوار اِک گویا کھڑی
اِک مدت تک رہا تاریخ پر پردہ پڑا
شاہدِ حق نے نہ جلوہ اپنا دکھلایا کبھی
سب سے پہلے خود مسلمانوں کو لازم تھا کہ وہ
جبر کے الزام سے اسلام کو کرتے بری

پھر مناسب تھا مسیحی کرتے اس کی چھان بین
نکلی کوشش سے ہیں جن کی غلطیاں اکثر دبی
پر نہ کوئی کر سکا سر یہ مہم جز آرنل
نام پر گویا اسی کے فتح تھی اُس کی لکھی
اُس نے جو لکھا۔ اُسے منوا دیا بے چون و چند
مذہب اور تاریخ دونو اُس کے ہیں احسانمند

بند پنجم

توڑنے والی تھی یہ تصنیف ہمت کی کمر
کامیابی غیر ممکن اس میں آتی تھی نظر
تھی مصنف کو ضرورت اس میں جس سامان کی
جستجو میں اُس کی طے کرنے تھے اس کو بحر و بر
مشکلوں کا تھا اُسے ہر ہر قدم پر سامنا
ایک مشکل سے تھی مشکل دوسری دشوار تر
ڈھونڈنے تھے اس کو شرق اور غرب کے وہ واقعات
جن سے تھی تاریخ ساکت۔ اور مورخ بے خبر
قافلہ کا کھوج وہاں اُسکو لگانا تھا جہاں
نقشِ پا تھے اور نہ آوازِ درا تھی راہبر
ہو رہا ہے نظم میں ان مشکلوں کا جو بیاں
بے سر و پا سمجھیں ایسا ہی اُسے اہلِ نظر

جیسے ایک گونگا اشاروں میں کرے آکر بیاں
سامنے اہلِ وطن کے اپنی رودادِ سفر
جز مصنف کوئی درد اُس کا سمجھ سکتا نہیں
جھیلتے ہیں جو یہ کڑیاں۔ بس انہیں کو ہے خبر
آرنل کا مذہبی دنیا پہ جو احسان ہے
ہو نہیں سکتا ادا شکر اس کا ۔ قصہ مختصر!
اب دعا یہ ہے کہ پردیسی مسافر خیر سے
برکتوں کے سایہ ہی سایہ میں سب جا پہنچیں گھر
آرنل۔ مس آرنل۔ مسز آرنل سب کے لیے
یہ سفر فتح و ظفر کا ہو وسیلہ سربسر
آرنل سے فتح علمی جو ہوئی ہے آشکار
ہوں فتوحات آشکارا اُس سے ایسے بے شمار

انجمن حمایت اسلام لاہور

اور اُس کے کام

یہ نظم اپریل ۱۹۱۰ء میں "انجمن حمایت اسلام لاہور" کے سالانہ جلسہ میں پڑھی گئی

بند اوّل

دے خدا برکت جماعت میں تری اے انجمن
کر دیا تو نے نیا اسلام کا عہدِ کہن
جس طرح اسلام کی بُنیاد غربت میں پڑی
تو نے بھی غربت میں جھیلے مدتوں رنج و محن
جیسے گذرے سخت پہلے چند سال اسلام پر
ایسی ہی گذری ہیں پہلی منزلیں تیری کٹھن
اول اول جیسے یاور تھے قلیل اسلام کے
تیرے یاور بھی یونہیں تھے ابتدا میں چند تن
بدگماں اسلام سے جیسے رہے اول قریش
تیری نسبت بھی بہت کچھ تھے دلوں میں سوءِ ظن
سلطنت پر یا رئیسوں پر نہ تھا تکیہ تجھے
جز خدا کوئی نہ تھا سر پر ترے سایہ فگن
تیری کوشش کی تھی بارانی زراعت کی مثال
ہو جیسے ہر دم لگی تائیدِ غیبی کی لگن

باغبانوں کے پسینے کے سوا رکھتا نہ تھا
آبیاری کا کہیں سے آسرا تیرا چمن
پر۔ رہا دل تیرا ایسا اپنی ہمت سے قوی
گویا لشکر تھا خدا کا تیرے ساتھ اے انجمن
فتح پائی تو نے آخر اپنے استقلال سے
بج گیا ڈنکا ترا کابل سے لے کر تا دکن
سانچ کو جب تک نہیں اے انجمن دنیا میں آنچ
تیری پشتی پر رہے تائید رب ذوالمنن
تجھ سے امیدیں ہیں وابستہ بہت احباب کی
قوم کی دایہ ہے تو۔ اور ماں ہے تو پنجاب کی

بند دوم

تو نے لی جس وقت لاوارث یتیموں کی خبر
قوم میں کوئی شفیق اُن کا نہ آتا تھا نظر
کہہ رہی تھی بیکسی اُن کی۔ زبانِ حال سے
"دین پر تھی اپنے جو نازاں وہ اُمت ہے کدھر؟
ہو رہی ہے پود کب سے پائمال اسلام کی
اور کوئی کلمہ گو لیتا نہیں اُس کی خبر
بھائیوں کے دل پہ اُس سے بَیل تک آتا نہیں
جو مصیبت دیکھ کر غیروں کا جی آتا ہے بھر

کر رہے ہیں قحط کے دورے قیامت آشکار
چھٹ رہی ہیں بیٹیاں ماؤں سے۔ باپوں سے پسر
ڈالتی ہیں کھیتوں پہ ٹڈیاں جس طرح لوٹ
قحط سالی میں یونہیں پڑتی ہے لوٹ اسلام پر
ناج آٹے کے عوض بکتا ہے یوں دینِ مبیں
جس طرح بکتی ہے بازار میں جنسِ کس مخر
سب سے پہلے بیکسوں کی یہ صدا تو نے سنی
دل گیا تیرا لرز۔ اُن کی تباہی دیکھ کر
تھا قساوت کا مسلمانوں پہ جو دھبا۔ اُسے
تو نے دھویا۔ دُھل سکا ہاتھوں سے تیرے جسقدر
پر یہ دھبا قوم کے دامن سے چھٹ سکتا نہیں
ہاتھ بٹوایا نہ مل کر قوم نے تیرا اگر
تک رہے ہیں تیری جانب قوم کے لاکھوں یتیم
دُور سے سن کر ترے "دار الیتامیٰ" کی خبر
ایک انار اور اسکو تکتے سینکڑوں بیمار ہیں
لے گی کس کس کی خبر تو۔ قوم غافل ہے اگر؟
پائیں گے ڈھونڈے نہ پھر اسلام کی دنیا میں یہ
قحط کے دَورے گئے دو چار اگر ان پر گذر
ہو گئے خالی ہزاروں گھر یونہیں اسلام سے
گونجتی رہتی تھیں تکبیریں جہاں شام و سحر
قوم کو پروا نہیں ان کی تو سن اے انجمن

ہے پھر ان لاوارثوں کا ملجا و ماوی مشن

بند سوم

پرورش میں اُنکی جاں کھپاتے ہیں جہاں
اُن کو شفقت سے کھلاتے اور نہاتے ہیں جہاں
عادتیں دیتے ہیں سب اُنکی جہاں سانچے میں ڈھال
جانور سے آدمی اُن کو بناتے ہیں جہاں
رکھتے ہیں ماں باپ سے بڑھ کر جہاں اُنکا خیال
لاڈلوں کی طرح ناز اُن کے اُٹھاتے ہیں جہاں
کرتے ہیں لائق انہیں دنیا میں رہنے کے لیے
صنعت و علم و ہنر اُن کو سکھاتے ہیں جہاں
مینہ برستا ہے جہاں دولت کا اُنکے واسطے
رات دن امداد کے پیغام آتے ہیں جہاں
شیر خواروں کو جہاں رکھتے ہیں ماؤں کیطرح
نرم نرم اُن کو بچھونوں پر سلاتے ہیں جہاں
اُن کی خدمت کے لیے - اُن کی حفاظت کیلئے
دائیاں - انائیں - مامائیں - بلاتے ہیں جہاں
اُن کو جھولوں میں جُھلاتے ہیں جہاں شام و سحر
مثل فرزندوں کے اُن کو دکھ دکھاتے ہیں جہاں
قوم میں پرسش نہیں اُنکی تو داں پہنچیں گے وہ

پتلیوں پر اُن کو آنکھوں کی بٹھاتے ہیں جہاں
اب کہو حقدار اُن کا ہے مشن یا انجمن
سال بھر میں تین دن۔ لے دیکھے آتے ہیں جہاں
جبکہ آکر انجمن کی سنتے ہیں روداد ہم
پھر کبھی کرتے نہیں بھولے سے اسکو یاد ہم

بند چہارم

اِس سے بڑھ کر ہو گی کیا اے قوم عبرت کیجگہ؟
ہو مشن۔ اسلام کے پودوں کی خدمت کیجگہ
دل نہ اپنوں کا پسیجے۔ اور کڑھے غیروں کا جی
ہے مسلمانو! یہ غیرت اور حمیت کی جگہ
کیا قیامت ہے کہ حامی جن کے بیگانے بنیں
وہ نہ پائیں قوم میں اپنی حمایت کی جگہ
کیا غضب ہے۔ غیر آسائش کے ہوں جنکے کفیل
اُن کو اپنوں میں ملے ڈھونڈی نہ راحت کیجگہ
ہمسری غیروں کی گر دولت میں کرسکتے نہیں
دین کی غیرت تو تم رکھتے ہو دولت کی جگہ
بیکسوں کا دین بھی جس سے بچے اور جان بھی
اِس سے بڑھ کر کونسی ہو گی اعانت کیجگہ؟
اِدّعا ہے تم کو اسلامی حمیت کا اگر

اس سے بڑھ کر کونسی ہوگی حمیت کیجگہ؟
اپنے بچوں کو مشن میں دیکھیں اور ہم مرنہ جائیں
کون سی اس سے زیادہ ہوگی ذلت کیجگہ؟
اب سوا اس کے کہ ہم اپنے پہ خود نفریں کریں
رہ گئی ہے کونسی باقی ملامت کی جگہ؟
قحط نے یارو! لیا ہے دیکھ۔ گھر اسلام کا
گھر کو رکھنا ہے اگر، تو ہے یہ بذلِ ہمت کیجگہ

لوٹ سے قحطوں کی کچھ دن اور اگر غفلت رہی
گود خالی ایک دن ہو جائے گی اسلام کی

بندِ پنجم

وہ گیا دورہ کہ تھے خلقت کے جتنے کار و بار
سب کا سلطانی اعانت پر تھا بس دار و مدار
راج کے ذمہ تھی پرجا کی ہر ایک بہبود و سود
آدمی اپنے فرائض کے نہ تھے خود ذمہ دار
اب زمانہ وہ ہے جس میں جز نظامِ مملکت
راج کے ذمے نہیں پرجا کا کوئی بوجھ بار
کر رہی ہیں اپنے اپنے بل پہ اب قومیں وہ کام
جو نہیں کر سکتے شاہنشاہ و شاہ و شہریار
پڑ رہا ہے آج دنیا میں یہی غل چار سُو

خود خبر لو قوم کی۔ گر قوم کے ہو غمگسار
دین کا گر درد ہے تم کو۔ تو دو اُس کو فروغ
اور کرو ہر نیک و بد پر حجّتِ حق آشکار
علم و فن کی درسگاہیں ملک میں قائم کرو
بھائیوں کی گر جہالت دل پہ گذرے ناگوار
دیکھ کر حالت یتیموں کی - اگر کڑھتا ہے جی ؟
مال و دولت مل کے سب اُن پر کرو یاروں نثار
انجمن کو سمجھو اپنے حق میں ایک انعامِ حق
کر رہی ہے جو ادا۔ قومی فرائض بیشمار
انجمن کو شکر کی جا ہے کہ ہے ہر دم فروغ
دن بدن بڑھتے چلے جاتے ہیں اُسکے کاروبار
ہے تمنا یہ - ترقی اُس کی روز افزوں رہے
اِس ترقی سے مگر رہنا عزیزو! ہوشیار
ہو رہی ہے جو عمارت دمبدم بالا و بلند
اُس کو خطرہ ہے۔ اگر بنیاد ہے نا اُستوار

اِس سے کیا حاصل کہ تم نے جوت لی میلوں زمیں
آب پاشی کی بھی کچھ تدبیر کی ہے یا نہیں؟

بندِ ششم

اب نہیں وہ دن کہ کھو کر مال و دولت رائگاں
چند نا اہلوں میں ہوں مشہور فیاضِ زماں

نام روشن باپ دادا کا کریں لے لے کے قرض
بیچ بیچ اسلاف کا ترکہ ۔ رچائیں شادیاں
ایک مونڈن یا کہ بسم اللہ کی تقریب میں
ہوں بہت ممنون ۔ گر رکھ لے کوئی گروی مکاں
لیں نہ کچھ اسکی خبر ۔ مفلس کوئی بھائی ہو گر
پر ہوں دسترخوان پر دس بیس حاضر میہماں
در سے خالی ہاتھ کوئی مانگنے والا نہ جائے
گو کہ فاقہ سے ہوں ہمسایہ کے بچے نیم جاں
ساری یہ فیاضیاں نبھ سکتی تھیں یارو کبھی
قوم کے سر پر نہ تھا جب قوم کا بار گراں
اب عزیزو! جزرسی اور کفایت کا ہے وقت
ہے تمہارا میہماں ۔ لوٹا ہوا اک کارواں
آجکل ہے بس یونہیں امداد کی محتاج قوم
قحط میں پانی کی بھوکی جیسی یارو! کھیتیاں
اغنیا غافل ہیں اور ناؤ شما سب تنگدست
پونجیاں اوچھی ہیں اور در پیش ہے خرچ گراں
ناؤ ان ہاتھوں سے اس امّت کی کھینی ہے تمہیں
تھا کھویا جس کے بیڑے کا رسول انس و جانؑ

جس کی عزت درحقیقت عزت اسلام ہے
جس کی ذلت خود تمہاری ذلتوں کا نام ہے

چُپ کی داد

یہ اعلیٰ درجہ کی بینظیر نظم جسمیں نہایت سچی اور واقعی تعریف فرقہ نسوان کے اوصاف صبر و حیا اور مہر و وفا کی دلآویز طریقہ پر بیان کی گئی ہے۔ مولانا نے ۱۹۰۵ء میں تصنیف کی تھی۔ بلحاظ اپنے اثر اور شہرت کے یہ نظم مولانا کی مقبول ترین نظموں میں سے ہے۔ مولانا کو خود بھی اس پر بہت فخر و ناز تھا (اسمٰعیل)

بند اوّل

اے ماؤ! بہنو! بیٹیو! دنیا کی زینت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمہیں۔ قوموں کی عزت تم سے ہے
تم گھر کی ہو شہزادیاں۔ شہروں کی ہو آبادیاں
غمگیں دلوں کی شادیاں۔ دکھ سکھ میں راحت تم سے ہے
تم ہو تو غربت ہے وطن۔ تم بن ہے ویرانہ چمن
ہو دیس یا پردیس۔ جینے کی حلاوت تم سے ہے
نیکی کی تم تصویر ہو۔ عفت کی تم تدبیر ہو
ہو دین کی تم پاسباں۔ ایماں سلامت تم سے ہے
فطرت تمہاری ہے حیا۔ طینت میں ہے مہر و وفا
گھٹی میں ہے صبر و رضا۔ انساں عبارت تم سے ہے
مرد و نہیں سَت والے نبھے جو سَت بیٹھے اپنا کب کا کھو

دنیا میں اے ستونتیو! لے دے کے اب سُنّت تم سے ہے
مونس ہو خاوندوں کی تم ۔ غمخوار فرزندوں کی تم
تم بِن ہے گھر ویران سب ۔ گھر بھر میں برکت تم سے ہے
تم آس ہو بیمار کی ۔ ڈھارس ہو تم بیکار کی
دولت ہو تم نادار کی ۔ عسرت میں عشرت تم سے ہے

آتی ہو اکثر بے طلب ۔ دنیا میں جب آتی ہو تم
پر موہنی سے اپنی یہاں ۔ گھر بھر پہ چھا جاتی ہو تم

بند دوم

میکے میں سارے گھر کی تھیں ۔ گو مالک و مختار تم
پر سارے کنبے کی رہیں ۔ بچپن سے خدمتگار تم
ماں باپ کے حکموں پہ پتلی کی طرح پھرتی رہیں
غمخوار باپوں کی رہیں ۔ ماؤں کی تابعدار تم
دن بھر پکانا ۔ ریندھنا ۔ سینا ۔ پرونا ۔ ٹانکنا
بیٹھیں نہ گھر پر باپ کے ۔ خالی کبھی زنہار تم
راتوں کو چھوٹے بھائی بہنوں کی خبر اٹھ اٹھ کے لی
بچہ کوئی سوتے میں رویا ۔ اور ہوئیں بیدار تم
سسرال میں پہنچیں تو وہاں ۔ اک دوسرا دیکھا جہاں
جا اتریں گویا دیس سے ۔ پردیس میں اک بار تم
وہاں فکر تھی ہر دم یہی ۔ ناخوش نہ ہو تم سے کوئی

اپنے سے رنجش کے کبھی ۔ پاؤ نہ وہاں آثار تم
بدلے نہ شوہر کی نظر ۔ سسرے کا دل میلا نہ ہو
آنکھوں میں ساس اور نند کی گفتگو مثل خار تم
پالا بڑوں سے گر پڑے ۔ بدخو ہوں سب چھوٹے بڑے
چتون پہ میل آنے نہ دو ۔ گو دل میں ہو بیزار تم
غم کو غلط کرتی رہو ۔ سسرال میں ہنس بول کر
شربت کے گھونٹوں کی طرح ۔ پیتی رہو خون جگر

بند سوم

شادی کے بعد ایک اک کو ۔ تھی آرزو اولاد کی
تم پھنس گئیں جنجال میں ۔ خالق نے جب اولاد دی
دردوں کے دکھ تم نے سہے ۔ جاپے کی جھیلیں سختیاں
جب موت کا چکھا مزا ۔ تب تم کو یہ دولت ملی
میکے میں اور سسرال میں ۔ سب کے ہوئے دل باغ باغ
گھر میں اجالا تو ہوا ۔ پر تم پہ بپتا پڑ گئی
کھانا ۔ پہننا ۔ اوڑھنا ۔ اپنا گئیں سب بھول تم
بچوں کے دھندے میں تمھیں اپنی نہ کچھ سدھ بدھ رہی
تب تک بھی سمجھو خیر تھی ۔ جبتک بھلے چنگے تھے سب
پر سامنا آفت کا تھا ۔ گر ہو گیا ماندہ کوئی
سولی پہ دن کٹنے لگے ۔ راتوں کو نیندیں اڑ گئیں

اِک اک برس کی ہو گئی - اک اک پل - اک اک گھڑی
بچوں کی سیوا ہیں تمہیں - گذرے ہیں جیسے دس برس
قدر اُسکی جانیگا وہی - دم پر ہو یوں جس کے بنی
کی ہے مہم جو تم نے سر - مَردوں کو اُس کی کیا خبر
جانے پرائی پیڑ وہ - جس کی بَرائی ہو پھٹی
تھا پالنا اولاد کا - مردوں کے بوتے سے سوا
آخر یہ اے دُکھیا رہو! خدمت تمہارے سر پڑی

پیدا اگر ہوتیں نہ تم - بیڑا نہ ہوتا پار یہ
چیخ اُٹھتے دو دن میں - اگر مردوں پہ پڑتا بار یہ

بند چہارم

لیتیں خبر اولاد کی - مائیں نہ گر بچپن میں یہاں
خالی کبھی کا نسل سے آدم کی ہو جاتا جہاں
یہ گوشت کا اِک لوتھڑا - پروان چڑھتا کسطرح
چھاتی سے لپٹائے نہ ہر دم رکھتی گر بچے کو ماں
وہ دین اور دنیا کے مصلح - جن کے وعظ اور پند سے
ظلمت میں باطل کی ہوا - دنیا میں نورِ حق عیاں
وہ علم اور حکمت کے بانی - جن کی تحقیقات سے
ظاہر ہوئے عالم میں اسرارِ زمین و آسماں
وہ شاہِ کشور گیر اسکندر - کہ جس کی دھاک سے

تھے بید کی مانند لرزاں ۔ تاجدارانِ جہاں
وہ فخرِ شاہانِ عجم کسریٰ ۔ کہ جس کے عدل کی
مشرق سے تا مغرب زبانوں پر ہے جاری داستاں
کیا پھول پھل یہ سب ۔ انہیں کمزور پودوں کے نہ تھے
سینچا تھا ماؤں نے جنہیں ۔ خونِ جگر سے اپنے یہاں
کیا صوفیانِ باصفا ۔ کیا عارفانِ باخدا
کیا انبیاء ۔ کیا اولیاء ۔ کیا غوث ۔ کیا قطبِ زماں

سرکار سے مالک کی جتنے پاک بندے ہیں بڑے
وہ ماؤں کی گودوں کے زینے سے ہیں سب اوپر چڑھے

بندِ پنجم

افسوس! دنیا میں بہت تم پر ہوئے جور و جفا
حق تلفیاں تم نے سہیں ۔ بے مہریاں جھیلیں سدا
اکثر تمہارے قتل پر ۔ قوموں نے باندھی ہے کمر
دیں تاکہ تم کو یک قلم ۔ خود لوحِ ہستی سے مٹا
گاڑی گئیں تم مدتوں ۔ مٹی میں جیتی جاگتی
حامی تمہارا تھا نہ یاور ۔ کوئی جز ذات خدا
زندہ سدا جلتی رہیں ۔ تم مُردہ خاوندوں کیساتھ
اور چین سے عالم رہا ۔ یہ سب تماشے دیکھتا
بیاہی گئیں اُس وقت تم ۔ جب بیاہ سے واقف نہ تھیں

جو عمر بھر کا عہد تھا۔ وہ کچے دھاگے سے بندھا
بیاہا تمہیں ماں باپ نے۔ اے بے زبانو! اسطرح
جیسے کسی تقصیر پر۔ مجرم کو دیتے ہیں سزا
گذری امید و بیم میں۔ جب تک رہا باقی سہاگ
بیوہ ہوئیں تو عمر بھر۔ پھر چین قسمت میں نہ تھا
تم سخت سے سخت امتحاں دیتی رہیں۔ پر رائیگاں
کیں تم نے جانیں تک فدا۔ کہلائیں لیکن بیوفا
گو صبر کا اپنے نہ کچھ۔ تم کو ملا انعام یہاں
پر جو فرشتے سے نہ ہو۔ وہ کر گئیں تم کام یہاں

بند ششم

کی تم نے اس دارالمحن میں جس تحمل سے گذر
زیبا ہے گر کہئے تمہیں۔ فخر بنی نوع بشر
جو سنگدل۔ سفاک۔ پیاسے تھے تمہارے خون کے
اُن کی تو ہیں بیرحمیاں مشہور عالم میں۔ مگر
تم نے تو چین اپنے خریداروں سے بھی پایا نہ کچھ
شوہر ہوں اسمیں یا پدر۔ یا ہو برادر یا پسر
الفت تمہاری کر گئی گھر دلمیں جس بے دید کے
وہ بدگماں تم سے رہا۔ اے بے نصیبو! عمر بھر
گو نیک مرد اکثر تمہارے نام کے عاشق رہے

پر نیک ہوں یا بد۔ رہے سب متفق اس رائے پر
جب تک جیو تم ۔ علم و دانش سے رہو محروم یہاں
آئی ہو جیسی بے خبر ۔ ویسی ہی جاؤ بے خبر
تم اس طرح مجہول اور گمنام دنیا میں رہو
ہو تم کو دنیا کی ۔ نہ دنیا کو تمہاری ہو خبر
جو علم مردوں کے لیے سمجھا گیا آبِ حیات
ٹھہرا تمہارے حق میں وہ زہرِ ہلاہل سربسر

آتا ہے وقت انصاف کا ۔ نزدیک ہے یوم الحساب
دُنیا کو دینا ہوگا ۔ اِن حق تلفیوں کا وہاں جواب

بندِ ہفتم

گذرے تھے جُگ تم پر ۔ کہ ہمدردی نہ تھی تم سے کہیں
تھا منحرف تم سے فلک ۔ برگشتہ تھی تم سے زمیں
دنیا کے دانا اور حکیم ۔ اِس خوف سے لرزاں تھے سب
تم پر مبادا ۔ عِلم کی پڑ جائے پرچھائیں کہیں
ایسا نہ ہو مرد اور عورت میں رہے باقی نہ فرق
تعلیم پا کر آدمی بننا تمہیں زیبا نہیں
یہاں تک تمہاری ہجو کے گائے گئے دُنیا میں راگ
تم کو بھی دنیا کی کہن کا آ گیا آخر یقیں
علم و ہنر سے رفتہ رفتہ ہو گئیں مایوس تم

سمجھا لیا دل کو کہ ہم۔ خود علم کے قابل نہ تھیں
جو ذلتیں لازم ہیں دنیا میں جہالت کے لیے
وہ ذلتیں سب نفس پر۔ اپنے گوارا تم نے کیں
سمجھا نہ تم کو ایک دن۔ مَردوں نے قابل بات کے
تم بیویاں کہلائیں۔ لیکن لونڈیاں بن کر رہیں
آخر تمہاری "چپ" دلوں میں اہلِ دل کے چبھ گئی
سچ ہے کہ "چپ کی داد" آخر بے ملے رہتی نہیں
بارے زمانہ نیند کے ماتوں کو لایا ہوش میں
آیا تمہارے صبر پر دریائے رحمت جوش میں

بند ہشتم

نوبت تمہاری حق رسی کی بعد مدت آئی ہے
انصاف نے دھندلی سی اک اپنی جھلک دکھلائی ہے
گو ہے تمہارے حامیوں کو مشکلوں کا سامنا
پر حل ہر اک مشکل یونہی۔ دنیا میں ہوتی آئی ہے
اٹکے ہیں روڑے چلتی گاڑی میں سچائی کے سدا
پر فتح جب پائی۔ سچائی ہی نے آخر پائی ہے
(خطاب بہ حامیانِ تعلیم نسوان)
اے بے زبانوں کی زبانو! بے بسوں کے بازوؤ!
تعلیمِ نسواں کی مہم۔ جو تم کو اب پیش آئی ہے

یہ مرحلہ آیا ہے پہلے تم سے۔ جن قوموں کو پیش
منزل پہ گاڑی اُن کی۔ استقلال نے پہنچائی ہے
ہے رائی بھی پربت۔ اگر دل میں نہیں عزم درست
یہ ٹھان لی جب جی میں پھر پربت بھی ہو تو رائی ہے
یہ جیت کیا کم ہے کہ خود حق ہے تمہاری پشت پر
جو حق پہ منہ آیا ہے آخر اُس نے منہ کی کھائی ہے
"جو حق کے جانبدار ہیں۔ بس اُن کے بیڑے پار ہیں"
بھوپال کی جانب سے یہ۔ ہاتف کی آواز آئی ہے

ہے جو مُہم درپیش۔ دستِ غیب ہے اُس میں نہاں
تائیدِ حق کا ہے نشاں۔ امداد "سلطانِ جہاں"

۷ رجون ۱۹۲۹ء بروز جمعہ

فہرست کتب حالی بکڈپو

۱ - **اُصول و اخلاقِ اسلام** - دینیات کا یہ مختصر لیکن نہایت جامع رسالہ آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب کی تصنیف ہے جسکو جناب مولوی خواجہ غلام الحسنین صاحب نے بہت سی ترمیم و توضیح کے بعد حال میں تیسری مرتبہ شائع کیا ہے - اس میں بجد آسان اور سلیس زبان میں چھوٹے بچوں کے لیے دینیات کے تمام موٹے موٹے اور ضروری مسائل (جن کا جاننا ہر مسلمان بچے کا سب سے پہلا فرض ہے) نہایت جامعیت اور عمدگی کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں دینیات کے اب تک جتنے ابتدائی رسالے اردو میں لکھے گئے ہیں یہ رسالہ یقیناً اُن سب سے بہتر ہے - ناپسند ہو تو بلا تامل واپس فرما دیں - قیمت مجلد ۲ر جو تخفیف

۲ - **پھولوں کی ڈالی** - چھوٹے بچوں کے لیے نہایت دلچسپ اور آسان خالص اخلاقی نظموں کا نہایت خوبصورت مجموعہ - پنجاب کی سکول لائبریریوں کے لیے سرکاری طور پر منظور شدہ - قیمت ۳ر

۳ - **اِسلامی کہانیاں** - بجد آسان اور سلیس زبان میں تمام تاریخ اسلام کا خلاصہ چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی شکل میں - بچوں کے لیے بڑی مفید اور بے انتہا دلچسپ کتاب ہے - قیمت ۸ر

۴ - **علمی ڈائرکٹری** - علم دوست حضرات کے لیے یہ نہایت ہی مفید اور کارآمد کتاب ہے اسمیں اول تمام ہندوستان کے اخبارات و رسائل کے مفصل حالات اور اُن کی فہرست دینے کے بعد ہر قسم کی انجمنوں، ہزاروں اہلِ علم اشخاص اور سینکڑوں تعلیم یافتہ مستورات کے پورے پتے بہت تلاش سے جمع کرکے درج کیے گئے ہیں - اردو لٹریچر میں نئی چیز ہے - قیمت ۱۲ر

۵ - **جنت کے پھول** - نہایت دلچسپ تبلیغی نظموں کا مجموعہ - قیمت دو پیسے

۶ - **سیر المصنفین** - ابتدا سے ہر دور کے نثر مصنفینِ اردو کے حالات - زبانِ اردو کی عہد بعہد کی تصانیف کی مسلسل تاریخ - قیمت عہ ر

اِن کتابوں کے علاوہ مولانا حالی کی تمام نظم و نثر تصانیف ہم سے منگائیں -

پتہ - **مینجر حالی بک ڈپو پانی پت**

مطبع آرٹ پریس

دریسعٹ

آگرہ